ہوئے جو تم ہم سفر
نیو ایئر اسپیشل
از ام عباس
NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ویب اسپیشل ناول)

ہوئے جو تم ہمسفر

ازام عباس

ام عباس نے یہ ناول (ہوئے جو تم ہمسفر) صرف اور صرف نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول (ہوئے جو تم ہمسفر) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے، ڈائجسٹ، سوشل میڈیا، ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیوایرا میگزین

****

Copyright by New Era Magazine

وہ گہری نیند میں تھا جب اسکا موبائل تھرتھرایا تھا۔ نیند میں خلل پیدا ہوا تھا۔ بند آنکھوں سے ہی ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر مار کر موبائل پر گرفت کی تھی۔ نیند کے باعث اور کچھ یک دم روشن سکرین پر نگاہ کرنے کی وجہ سے اسے دیکھنے میں دشواری ہو رہی تھی ۔پوری طرح آنکھیں واہ کیں۔ کانسٹبل نذیر کے چمکتے حروف پر وہ چونکا تھا۔ کال ریسیو کرتے وہ کہنی کے بل ذرا سا اٹھا تھا۔

"سر۔۔۔ سر میری مہرو نہیں مل رہی۔ شام۔۔۔ سے لاپتہ ہے۔۔۔ اب یہ وقت آن پہنچا ہے"۔ دوسری طرف کال اٹھائے جانے کے ساتھ ہی نذیر کی کرب میں ڈوبی مضطرب آواز سنائی دی تھی۔ مجتبیٰ اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"نذیر صاحب! آگے پیچھے پوچھا کسی سے آپ نے؟" وہ خود پریشان ہوا تھا۔ نذیر احمد پچپن سالہ ایک نہایت نفیس اور شریف النفس انسان تھے۔ نرم گو، خوش مزاج۔

"سب سے پوچھ لیا ہے۔ شام کو ٹیوشن پڑھنے گئی تھی میری جب فون پر بات ہوئی تھی ۔مگر پھر واپس نہیں آئی۔۔۔۔ میں آیا تو آگے گھر پر نہیں تھی۔ جس بچی کے پاس ٹیوشن کے لئے جاتی ہے اس سے بھی معلوم کیا ہے۔۔۔ اس کے مطابق وہ اپنے وقت پر چلی گئی تھی"۔ وہ اب باقاعدہ رو رہا تھا۔ مجتبیٰ کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"آپ حوصلہ رکھیں۔۔۔۔ہمت سے کام لیں۔میں خود آتا ہوں"۔اسے وہ الفاظ نہیں مل پا رہے تھے جس میں وہ انھیں حوصلہ دے پاتا۔چادر ہٹا کر وہ اٹھتا چلا گیا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ بنا یونیفارم کے جینز شرٹ میں ملبوس پہلی بار نذیر احمد کے دو کمروں پر مشتمل چھوٹے سے پکے صحن والے گھر میں کھڑا تھا۔صحن میں جلتی پیلی روشنی میں ابھی تک وردی پہنے کانسٹبل نذیر احمد بیچ صحن کے رکھی چارپائی پر سر ہاتھوں میں گرائے بے بس ولاچار بیٹھا اس قہر بن کر نازل ہوئی آفت پر نم آنکھوں سے ماتم زدہ تھا۔سامنے رکھی دوسری چارپائی پر اسکا بڑا بھائی بشیر احمد بیٹھا تھا۔محلے کے ایک دو اور لوگ بھی وہیں تھے۔اسکا بھتیجا غصے سے بھری آنکھوں کے ساتھ ایک سائیڈ پر کھڑا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان سب سے کچھ فاصلے پر مجتبیٰ توقیر شاہ موبائل کان سے لگائے دوسری طرف ہدایات دے رہا تھا۔قانونی طور پر ایف آئی آر گمشدگی بھی ابھی دائر نہیں کی گئی تھی۔رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔جب اسکا چوبیس سالہ بھتیجا عمر بول اٹھا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا چاچا بیاہ دے میرے ساتھ اب لڑکی کو۔مگر تجھے ہی شوق چڑھا تھا بہت اسے پڑھا لکھا کر افسر یانی بنانے کا۔میری بیٹی ابھی اٹھارہ کی بھی نہیں ہوئی۔دیکھ لیا نتیجہ ؟۔نجانے کس عاشق کے ساتھ۔۔۔۔"۔وہ طیش میں چند قدم آگے آتا غصے

Copyright by New Era Magazine

سے بھری آواز میں اپنی جاہلیت کا ثبوت دے رہا تھا جب نذیر احمد ایک دم سے اٹھ کر دھاڑا تھا۔

"بس ایک لفظ اور اپنی گندی زبان سے نکالا تو ساری کی ساری گولیاں تیرے سینے میں اتار دوں گا"۔ اپنا سروس پسٹل نکال کر وہ اس پر تان چکا تھا۔ وہاں موجود مرد حضرات حرکت میں آئے تھے نذیر احمد کو پیچھے کیا تھا۔ بشیر نے اپنے بیٹے کو کھینچ تان کر پرے ہٹایا تھا۔ مجتبیٰ بھی حیرت زدہ سا موبائل بند کرتے ان تک آیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟۔ کوئی احساس ہے آپ کو کوئی کس مشکل دور سے گزر رہا ہے؟۔ اسے لے کر جائیں یہاں سے"۔ سنجیدہ سی تیز آواز میں وہ چہرے پر سختی لئے بولا تھا۔ عمر نے ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈال کر باپ کے ہاتھوں ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا تھا اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ جو بھی تھا وہ اپنے چچا سے تو بد تمیزی سے بات کر سکتا تھا۔ مگر سامنے کھڑا وہ شخص پولیس افسر تھا جس کا رعب و دبدبہ ہی اسے پتلی گلی سے نکل جانے پر مجبور کر گیا تھا۔

نذیر احمد ڈھے جانے والے انداز میں چار پائی پر بیٹھا تھا۔ پہلے ہی کیا کم غم تھا جو اپنے اٹھ کر یوں نقب زنی پر اتر آئے تھے۔

Copyright by New Era Magazine

"نذیر صاحب اٹھ کر تھانے چلتے ہیں۔ایف آئی آر درج کروانا بھی لازمی ہے۔تاکہ آگے کاروائی میں تیزی لائی جا سکے"۔انکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔نذیر احمد نے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔اسے پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کیے دو سال ہوئے تھے۔نذیر احمد نے دو سالوں میں اسے جتنا ایماندار اور فرض شناس جانا تھا اپنی پوری زندگی ایسا افسر نہیں دیکھا تھا۔اپنے ماتحت عملے سے جس قدر عزت و احترام سے وہ پیش آتا تھا انکا جی بھی خوش ہو جاتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ مشکل کی اس گھڑی میں صرف اسی کا نام ذہن میں آیا تھا اور بنا کسی جھجک کے اسے فون بھی کر دیا تھا۔

سر اثبات میں ہلاتا وہ جھکے کندھوں کے ساتھ اٹھا تھا اور اس کے ساتھ چل دیا۔

. . . .

. . . .

صبح سات بجے کا وقت تھا جب وہ دو پولیس اہلکاروں اور ایک لیڈی کانسٹیبل کے ہمراہ تانیہ مراد کے گھر موجود تھا۔انکی آمد پر وہ جاگ کرتی شرٹ ٹراؤزر میں ہی ڈرائینگ روم میں آئی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"مس تانیہ آپ سے ماہ روش نذیر کی گمشدگی کے بارے میں بات کرنی تھی" اسکے بیٹھتے ہی مجتبیٰ نے کہا تھا وہ حیران ہوتے اسے دیکھنے لگی۔

"ماہ روش نہیں ملی ؟۔ میں نے کل انکل کو بتا تو دیا تھا یہاں سے وہ پورے پانچ بجے نکل گئی تھی۔ دراصل وہ ڈیلی نہیں آتی تھی جب کبھی کوئی مشکل آتی کچھ سمجھ نہ آتا تب ہی آتی تھی"۔ چہرے پر پریشانی سجائے وہ ہموار آواز میں بتا رہی تھی۔ کھلے بالوں کے ساتھ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔

"آپ کو اس کے رویے میں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی ہو کل جب وہ یہاں آئی تھی ؟" اسکے چہرے پر نگاہ جمائے وہ بہت زیرک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بہت اچھی، سلجھی ہوئی ذہین بچی تھی"۔

"ٹھیک ہے مس تانیہ آپ کے تعاون کا بہت شکریہ۔ ضرورت پڑی تو پھر زحمت دیں گے آپ کو"۔ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ تانیہ نے سر ہلایا تھا۔ جاتے جاتے وہ ڈور پر رکا تھا۔ پھر پیچھے مڑا۔ ان ذہانت سے چمکتی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے میں آپ سے پہلے کہیں مل چکا ہوں ؟" یاداشت پر زور دیتے وہ ٹھٹک کر اسے اچنبھے سے دیکھ رہا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"جی۔ بلکل۔ ڈی آئی جی انکل عابد شیرازی کی بیٹی حبا میری دوست تھیں اسکی ڈیتھ کے سلسلے میں میں ایک بار پولیس سٹیشن آئی تھی۔"۔ سامنے والی کا حافظہ بھی کمال تھا ۔ پراعتماد انداز میں بازو سینے پر باندھتے وہ بولی تو مجتبیٰ کے ذہن میں بھی فوری کلک ہوا وہ ایک سال پہلے کی بات تھی۔ اس وقت وہ بھی ڈی آئی جی آفس ہی بیٹھا ہوا تھا۔

سر کو خم دیتا وہ باہر نکل گیا۔

"اس لڑکی پر نظر رکھو۔ اور آگے پیچھے چیک کرو کہیں کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے تو اسکی فوٹیج بھی نکلواؤ"۔ گیٹ سے باہر نکل کر وہ پر سوچ انداز میں اپنے ماتحت اہلکار کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسے جلد از جلد اس لڑکی کو ڈھونڈنا تھا جس کا باپ دل کے عارضے میں مبتلا تقدیر کا یہ کڑا وار سہہ نہیں پایا تھا۔ رات اسے ہسپتال میں داخل کروانا پڑا تھا۔

. . . .

. . . .

ایک گھر کے باہر لگے کیمرے کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں ماہ روش کو ایک گاڑی سے نکل کر دو لڑکوں کو زبردستی گاڑی میں بٹھاتے دیکھا گیا تھا۔ ان دونوں کے چہرے رومال سے ڈھکے ہوئے جبکہ سر پر پی کیپ تھیں۔ اس گاڑی کا نمبر ٹریس کیا گیا تھا اور اگلے دن

Copyright by New Era Magazine

شام ڈھلے وہ زیر تعمیر آبادی سے دور ایک انڈسٹریل ایریا میں تھے جہاں کا کام رکا ہوا تھا
۔وہ گاڑی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

پوری طرح تلاشی لی گئی تھی وہاں پر کوئی موجود نہیں تھا۔سب سے اوپری منزل پر ایک کونے میں رکھے کوڑ کواڑ کے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔مجتبیٰ نے مرد اہلکاروں کو روکا تھا۔دو لیڈی اہلکار آگے بڑھیں تھیں اور۔۔۔۔پھر وہ دکھی تھی ۔زمین پر نیم مردہ حالت میں نیم برہنہ وجود کے ساتھ۔ایسی حالت کہ جسے دیکھ کر روح تک لرز جائے۔پاس ہی اسکا عبایا اور بیگ رل رہا تھا۔ہوا کی بیٹی ابن آدم کی درندگی کا شکار ھو گئی تھی۔

اسکی چلتی سانسوں نے بتایا تھا زندگی کی بچی کچی رمق اب بھی باقی تھی۔اسے اسی ہسپتال لایا گیا تھا جہاں کے ایک انتہائی نگہداشت کے کمرے میں اسکا بوڑھا باپ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔اور کوئی ایک تھا جس کے ہاتھوں سے زندگی کی یہ ڈور چھوٹ جانے کو تھی۔

. . . .

. . . .

Copyright by New Era Magazine

ابتدائی میڈیکل رپورٹ میں اسکے ساتھ ہوئی وحشانہ جنسی زیادتی اور ڈرگز کی بھاری ڈوز دینے کا انکشاف ہوا تھا۔ڈرگز کے باعث وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔اس پر ہوئے بے رحمانہ جسمانی تشدد نے اس سینئر لیڈی ڈاکٹر کی آنکھوں کو بھی نم کیا تھا ۔اسکی گردن چہرے اور جسم کے دیگر اعضا کو سگریٹ سے داغا گیا تھا۔

پولیس لائن میں ہونے کی وجہ سے مجتبیٰ شاہ کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔آئے دن ایسے کیسز سے پالا پڑتا تھا۔وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا پھر بھی دل دکھتا تھا۔۔۔۔ مگر اس بار معاملہ مختلف تھا۔وہ جس باپ کی بیٹی تھی۔اس کے ساتھ اس کا تعلق واسطہ تھا۔پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق دو نمبری کر ہی لیتا ہے ۔مگر پچپن سالہ نذیر احمد بڑا ہی کوئی اللہ لوگ بندہ تھا۔درد دل رکھنے والا۔وہ تو دوسروں کی بیٹیوں کی ایسی حالت پر آنسو بہایا کرتا تھا۔خود کی بیٹی کو اس حال میں کیسے دیکھ پائے گا؟۔جب کبھی بھی کوئی لاچار و بے بس باپ اپنی بیٹی کے لئے تھانے آتا تو کہیں کہیں دن اسکا سراپا اسکے ذہن و دل میں گردش کرتا تھا۔وہ اداس رہتا تھا اس سے بھی اپنی بے کلی کا اظہار کرتا تھا۔اور آج وہی سب کچھ اسکی بیٹی پر بیت گیا تھا۔اور اب جب وہ مل گئی تھی تو اسے اسکی بازیابی کی اطلاع دینا اسے مشکل ترین لگ رہا تھا۔نرس

Copyright by New Era Magazine

نے اسے اسکے ہوش میں آنے کی خبر دی تھی۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ گہرا سانس لے کر دل مضبوط کرتے وہ بھاری ہوتے قدموں سے آگے بڑھا تھا۔

. . . .

"نذیر صاحب"۔ اسکی پکار پر اپنے سوجھے پپوٹوں والی ویران آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا تھا۔ اسکے بلکل قریب کھڑا وہ قدرے جھک کر اسکے کندھے پر ہاتھ دھرے ہوئے تھا۔ مشینوں اور نالیوں میں جکڑے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔

"آپ کی بچی مل گئی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اسکا انداز بلکل سپاٹ تھا۔ جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو اسکے ملنے پر خوشی کا اظہار کرے، یا جس حال میں ملی ہے اس پر افسوس کرے۔

"ز۔۔۔۔زندہ ہے؟"۔ نحیف سی ٹوٹی آواز میں کہتے اس باپ کی آنکھ سے گرتے اشک میں جو کرب تھا اس نے مجتبیٰ کو نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے سر کو ہاں میں جنبش دی تھی۔

"کاش۔۔۔۔۔مر گئی ہوتی"۔ یہ الفاظ کسی سسکی کی مانند ان لبوں سے نکلے تھے۔ نذیر احمد نے درد کی انتہاؤں کو چھوتے آنکھیں زور سے بند کر لی تھیں۔ وہ بے خبر تو نہ تھا۔ ایسے اٹھا کر لے جانے والی لڑکیاں کبھی لوٹ کر زندہ نہیں آتی اور اگر آ جائیں تو اپنی عصمت کی تار تار ہوئی چادر کے کفن میں لپٹی زندہ لاشیں بن جاتی ہیں۔ لوگ اپنی

Copyright by New Era Magazine

زبانوں کی کند چھری کی نوک سے بار بار انکا قتل عام کرتے ہیں۔اور وہ پل پل مرتی ہیں ۔۔۔۔ سسکتی بلکتی ہیں۔۔۔۔موت کی شیدائی و تمنائی بن جاتی ہیں۔تب موت بھی سفاک بنی،دور کھڑی تماشہ دیکھتی ہے۔

مجتبیٰ نے بے بسی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھنچا۔اسکی آنکھوں کے سامنے کچھ دن پہلے والے نذیر احمد کی شبیہ لہرائی تھی جب اسے ہارٹ پیشنٹ ہونے کا پتہ چلا تھا۔

"بس سر جی۔میری مہر وپڑھ لکھ جائے۔ماں بھی تو چھوٹی سی عمر میں چل بسی تھی۔آ جا کر اس دنیا میں اللہ اور اسکے حبیب ﷺ کے بعد میرا ہی سہارا ہے۔اسکی شادی تک کی مہلت دے دے رب اچے دی ذات۔پھر بھلے یہ دل بے وفائی پر اتر آئے پرواہ نہیں کوئی"۔

وہ انسان جو اپنی بیٹی کے محفوظ مستقبل تک کے لئے اپنی دھڑکنوں کی روانی خدا سے مانگتا تھا آج خود اپنی بوجھل ہوتی سانسوں کے ساتھ اسی بیٹی کی موت کی آرزو کر رہا تھا ۔وقت بڑا سفاک ہے جب پاسہ پلٹتا ہے تو کسی پر رحم نہیں کھاتا۔

"آزمائش کا وقت ہے کڑا ضرور ہے مگر انشااللہ گزر جائے گا۔آپ ہمت ہار جائیں گے تو اسے کون سنبھالے گا"۔دواؤں کی مخصوص خوشبو اور مشینوں کی آواز میں رچی بسی کمرے کی خوفزدہ سی فضا میں اسکی سنجیدہ سی آواز گونجی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"اسی کی تو فکر ہے۔ مجھے سانسیں ٹوٹنے کا سا گمان ہو رہا ہے۔ میرے بعد ۔۔۔۔ میرے بعد اس کرم جلی کا کیا ہو گا؟۔ کچھ نصیبوں میں سیاہی گھل گئی ہے۔ کچھ لوگ پل پل زہر میں ڈوبے تیر برسائیں گے۔ میری معصوم بچی ایک دم سے تپتی دھوپ میں برہنہ سر و پیر آ کھڑی ہوئی ہے"۔ بند آنکھوں کے ساتھ تڑپ لئے بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتی آواز نے اسے مضطرب کیا تھا۔ انسان کتنا بے بس ہے کاتب تقدیر کے سامنے اسے نذیر احمد کو دیکھ کر اس وقت شدت سے احساس ہوا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے اس شخص کو اب بھی اپنی پرواہ نہیں تھی پیچھے رہ جانے والی بیٹی کی فکر ستائے ہوئے تھی۔ ماتھے کو دو انگلیوں سے مسلتے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا جب اسکی آواز پر چونکے بنا نہ رہ سکا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے"۔

. . . .

. . . .

ہوش میں آنے کے بعد جو پہلا احساس جاگا تھا وہ پورے وجود میں اٹھتی درد کی شدید لہر کا تھا۔ سوئے ہوئے نیم غنودگی میں ڈوبے حواس بیدار ہوئے تھے جس کے ساتھ ہی آگاہی کا کرب بھی اسکے پورے وجود کو کسی آکٹوپس کی مانند جکڑ گیا تھا۔ گزری رات

Copyright by New Era Magazine

کی سیاہی نے اسکے ماتھے پر بھی کالک مل دی تھی۔وہ روئی تھی گڑ گڑائی تھی۔ان چار نشے میں دھت انسانوں کے لبادے میں چھپے شیطانوں کے سامنے التجا بھی کی تھی مگر سب بے سود رہا۔درد کی آخری حد پر کھڑی اس نے اپنے مرنے کی دعا بھی کی تھی پر وہ لمحہ قبولیت کا تو ہر گز نہ تھا.وہ نازک اندام سی دکھتی بڑی سخت جان ثابت ہوئی تھی ۔عورت کو صنف نازک کہا جاتا ہے مگر مرد کی حیوانیت اور درندگی وہ جفاکشی سے سہتی آئی تھی اور نجانے کب تک سہنے والی تھی۔اپنے پورے وجود پر سانپ رینگتے محسوس کرتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔درد کی جس نہج پر وہ کھڑی تھی وہاں ہاتھ میں لگی سوئی کی چبھن کا احساس بھی نہ جاگ سکا تھا۔وہ چلانا چاہتی تھی زور زور سے چینخنا چاہتی تھی مگر اسکے حلق سے دبی دبی آواز ہی نکل سکی تھی۔خود پر بیتی قیامت کے دوران وہ اتنا چینخ و پکار کر چکی تھی کہ اسکے گلے میں پڑی خراشیں اسے مزید آہ و بکا کرنے کی اجازت تک نہ دے رہی تھیں۔ہذیانی انداز میں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بال اور چہرہ نوچا تھا جب کمرے میں داخل ہوتی نرس تیزی سے اسکی جانب بڑھی تھی۔

"ہوش کرو بی بی۔کیا کر رہی ہو؟"اسکے دونوں ہاتھوں کو قابو کرتے وہ اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ہاتھ کی پشت سے خون کی ایک ننھی سی قطار بہہ نکلی تھی

Copyright by New Era Magazine

۔زبردستی اسے لٹا کر اس نے پہلے ڈرپ اتاری تھی۔بہتی آنکھوں کے ساتھ اسکے لب پھڑ پھڑائے تھے۔

"ابو۔۔ابو"۔اپنی گردن اور چہرے کے بائیں جانب شدید جلن کا احساس لئے وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے آکر اسے دیکھا تھا۔اسکی حالت خطرے سے باہر تھی۔مگر جو زخم روح پر لگے تھے وہ اسے پل پل جانکنی کے عذاب میں مبتلا کر رہے تھے۔

"میرے ابو؟"۔پاس کھڑی لیڈی اہلکار کو اپنی بیٹھی آواز کے ساتھ متوجہ کیا تھا۔جس نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں سر ہلایا تھا۔

مگر وہ انجان تھی۔ایک قیامت سے وہ گزر آئی تھی ایک حشر اسکے انتظار میں تھا۔اسی اہلکار کے سہارے جب وہ اس روم میں داخل ہوئی تھی تو سامنے لیٹے وجود کو دیکھ کر وہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔اپنی سبھی تکالیف لمحے کے ہزارویں حصے میں کہیں لاشعور کی حدود میں داخل ہوئی تھیں۔وہ دوڑ کر بیڈ کے پاس آئی تھی۔باپ کے سینے پر دھرے ہاتھ پر اپنا لرزتا ہاتھ رکھا تھا وہ جھکی تھی۔نذیر احمد نے آنکھیں کھولی تھیں۔اور جو چہرہ دکھائی دیا تھا اسے اس حالت زار میں دیکھنے کی سکت بھی بھلا کب تھی۔زرد رنگت میں

Copyright by New Era Magazine

کملایا ہوا، آنکھوں میں وحشت، اور سگرٹ کے جلے کا نشان کالی چادر میں ڈھکے ہونے کے باوجود بھی نظر سے مخفی نہ رہ سکا تھا۔

"ابو۔۔۔۔میری غلطی نہیں تھی۔۔۔۔میں۔۔۔۔میں نے کچھ نہیں۔۔کیا"۔ نیم سرگوشی نما آواز میں وہ وضاحت دے رہی تھی۔اس باپ کو اسکی وضاحت درکار ہی کب تھی۔کانپتا ہاتھ بڑی دشواری سے اس کے سر تک گیا تھا۔اسکا سر اپنے سینے پر رکھ کر وہ دونوں بے آواز بلک بلک کر روئے تھے۔

اسی لمحے مجتبیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔سیاہ بڑی سی چادر میں لپٹا دھیرے دھیرے لرزتا وجود اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔

نذیر احمد کی سانسیں اکھڑی تھیں۔مشین پر نظر آتی لکیروں میں ارتعاش برپا ہوا تھا ۔ساتھ ہی اسکے وجود نے جھٹکے کھائے تھے۔مجتبیٰ جلدی سے آگے بڑھا تھا۔اسکے بلکل برابر میں کھڑے ہوتے جھک کر دیکھا تھا۔نذیر احمد کی آنکھیں پوری طرح پھیلی ہوئی تھیں۔سانس رک رک کر آرہا تھا۔تب تک پیچھے کھڑی خاتون اہلکار نے بھی صورت حال کی سنگینی بھانپ کر ماہ روش کو پیچھے سے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا تھا ۔وہ یک دم ہوش میں آئی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"ابو۔۔۔"۔دلخراش چینخ کے ساتھ وہ خوفزدہ آنکھوں سے انھیں دیکھتی چلائی تھی مگر آواز زیادہ اونچی گلے سے برآمد نہ ہو سکی تھی۔اسکے قدموں نے اپنے وجود کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا بے جان ہوتے وہ ڈھے جانے کو تھی جب شاہانہ نے اس کو سہارا دے کر ساتھ لگایا تھا۔

مجتبیٰ باہر کی جانب لپکا تھا۔ڈاکٹرز روم میں آئے تھے۔کمرہ خالی کروالیا گیا تھا۔اسے واپس اسکے کمرے کی جانب لے کر جایا جارہا تھا۔ماہ روش کی خطرناک حد تک زرد پڑی رنگت اور یخ ٹھنڈے وجود نے شاہانہ کو چونکنے پر مجبور کیا تھا۔اگلے ہی لمحے وہ کوریڈور میں بے جان ہوتے وجود کے ساتھ پورے قد سے گرتی چلی گئی تھی۔

"سر۔۔۔"۔شاہانہ کی آواز پر دروازے کے اس پار گلاس میں سے دیکھتے پریشان حال مجتبیٰ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔اور پھر وہ بھاگ کر وہاں تک آیا تھا۔بنا سٹیچر کے آنے کا انتظار کیے وہ اسے باہوں میں بھرتا دوڑنے کے انداز میں آگے بڑھا تھا جس کی چادر ایک بار پھر اسکے سر سے ڈھلک گئی تھی۔

. . . .

. . .

Copyright by New Era Magazine

ڈاکٹرز نذیر احمد کی حالت سے زیادہ پرامید نہیں تھے۔دل مزید لمبے عرصے تک دھڑکنے سے صاف انکاری تھا۔وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ڈاکٹرز نے اسکی حالت اور مجتبیٰ کے مرتبے کے باعث اجازت دی تھی۔آکسیجن کے زریعے دشواری سے آتی جاتی سانسوں کے درمیاں اس نے پانیوں سے بھری زندگی کی بجھی جوت لئے آنکھوں سے اسکو آس لگائے دیکھا تھا۔

"می۔۔۔میری۔۔مہ۔۔مہرو"۔اسکے کپکپاتے لبوں سے نکلے الفاظ وہ بمشکل سن اور سمجھ پایا تھا۔اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھے وہ جھکا تھا۔

"آپ فکر مت کریں نذیر صاحب۔میں سہارا بنوں گا اسکا۔میں اسکے سر پر اپنے نام کی چادر دوں گا"۔وہ نہیں جانتا تھا کہ کونسی طاقت تھی جو اسے بنا ایک لمحے کی دیری کیے یہ الفاظ زبان سے ادا کروا گئی تھی۔مگر اسکی ہموار آواز میں اسکے ارادے کی پختگی بول رہی تھی۔

اور پھر اس نے اپنا کہا پورا کیا تھا۔انتہائی نگہداشت کے اس کمرے میں ساتھی اہلکاروں اور ایک ڈاکٹر کو بطور گواہ بنائے اس نے بقائمی ہوش وحواس کے ساتھ برہنہ سر ماہ روش نذیر کو اپنے نام کی ردا اوڑھائی تھی۔نذیر احمد نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کی بمشکل

Copyright by New Era Magazine

کھولتے یہ منظر دیکھا تھا تکلیف کی حدود میں سکون کا اک لمحہ چپکے سے وارد ہوتا اسکی اگلی مسافت آسان بنا گیا تھا۔

باپ کے پاس رکھے سٹول پر چادر میں خود کو پوری طرح چھپائے لرزا طاری ہوتے ہاتھ کے ساتھ سن دماغ لئے اس نے نکاح نامے پر سائن کیے تھے۔وہ پوری طرح سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفلوج ہو چکی تھی۔آنکھوں کے سامنے صرف بستر مرگ پر پڑے باپ کا چہرہ تھا جو اسکی وجہ سے اس نہج تک آپہنچا تھا۔بھرائی آنکھوں سے جس لمحے اس نے اسکا چہرہ دیکھا تھا وہاں اذیتوں کی کالی گھنگھٹاؤں میں ایک طمانیت بھری مسکان نے اپنی چھپ دکھائی تھی۔یہ وہ آخری خوشی تھی جو وہ اپنے باپ کو بطور زادراہ دے رہی تھی۔اسکے تین دستخط اس کے لئے سبھی تکلیفوں،دردناک باتوں سے آزادی کا پروانہ ثابت ہوئے تھے۔

رات دو بجے کے قریب اس کے سامنے رفتہ رفتہ کر کے اسکے باپ نے دم توڑا تھا۔اسکے ہاتھوں میں قید وہ ہاتھ لمحوں میں بے جان ہوا تھا۔جس کے ساتھ ہی وہ کرچی کرچی ہوئے وجود کے ساتھ بری طرح سے بکھری تھی۔شاہانہ کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہوا تھا۔مجتبیٰ نے سبھی فارمیلیٹیز پوری کرتے ہوئے صبح صادق میت کو اسکے گھر پہنچایا تھا۔زندگی کی جنگ ہار انذیر احمد سفید کفن میں لپٹا تھا تو ماہ روش بھی اندر کہیں

Copyright by New Era Magazine

مر گئی تھی۔بس سانس ساکن نہ ہوئی تھی۔دل اب بھی دھڑک رہا تھا۔روح اب بھی جسم کی ساتھی تھی۔مگر زندہ لاشیں ان سبھی اسباب کے باوجود پھر زندوں میں شمار بھلا کب ہوتی ہیں۔

درد کی ایک دہلیز اور پار ہوئی تھی۔ایک امتحان اور سر اٹھائے منتظر کھڑا تھا۔کاش غم جان لاحق کرنے سے پہلے کاتب تقدیر کسی کی معصومیت، کم عمری اور پاکیزگی دیکھتا ہوتا۔وہ تو بے نیاز ہے۔جو چاہے کر سکنے پر قادر۔اس پر نہ پہلے کسی کا زور چلا ہے نہ آگے کسی کی اتنی مجال ہونی ہے۔میت جنازے کے لئے اٹھائی جا چکی تھی۔اسکی آنکھوں کے دریا اتر چکے تھے۔نمکین پانیوں کی جھیل بھی سوکھ گئی تھی

"کلموہی کہیں کی۔۔۔کھا گئی اپنے باپ کو۔جس اپنے یار کے ساتھ بھاگی تھی اسی کے پاس رہتی ناں واپس کیوں چلی آئی"۔۔گھٹنوں کے گرد ہاتھ لپیٹے وہ ان پر سر رکھے سسک رہی تھی جب اسکی چاچی چیل کی طرح اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔شاہانہ نے بیچ راستے ہی ان کو روک لیا تھا مگر زبان کی چلتی تیز دھار پر بندھ نا باندھ سکی تھی۔جو پہلے سے نیل نیل ہوئے وجود پر اور کوڑے برسا گئے تھے۔وہ بلبلا اٹھی تھی۔ذرا سا سر کو اٹھایا تھا مگر آنکھیں اٹھانے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔وہاں موجود لوگوں کی نظروں

Copyright by New Era Magazine

میں خود کے لئے حقارت و ترحم دیکھنا آسان کب تھا۔لوگ تحقیر بھری نگاہوں سے ہی قتل کر دینے کے درپے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں۔

اس وقت بھی اسکی نام نہاد چچی جب زہر اگل رہی تھی تو بھرے مجمع میں موجود وہ سب خاموش تماشائی اسی کی طرح صنف نازک سے تعلق رکھتی تھیں۔کسی کے لب وا نہ ہوئے جو اسکی بے گناہی میں بولتا،کوئی ایک ہاتھ آگے نہ بڑھا جو اس مصیبت زدہ کو سہارا دیتا۔انہیں تو آپسی چہ میگوئیوں سے ہی فرصت نہ ملی تھی کسی کی غم خواری کیا خاک کرتے۔اس کی ساری عمران لوگوں کے درمیاں گزری تھی۔کل تک وہ نیک اور پاکباز سمجھی جاتی تھی آج بے قصور ہوتے ہوئے بھی گندگی کا ڈھیر بنا دی گئی تھی ۔قصور کس کا تھا؟۔۔۔اور سزاوار کسے ٹھہرایا جارہا تھا۔

جس وقت مجتبیٰ نے دہلیز پر قدم رکھا تھا اس کے کانوں میں یہ الفاظ کسی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند انڈیلنے ہوئے تھے۔

"اب منہ چھپا کر اور یوں آنسو بہا کر ہمیں گمراہ مت کرو۔کوئی ایسے ہی نہیں اٹھا کر لے جاتا کسی کو۔پتہ نہیں کون سے عہد و پیماں باندھ رکھے ہوں گے۔کوئی شہ دی ہو گی تبھی تو اس حد تک آگیا وہ۔مگر ایک ہی رات میں اسے اسکی اوقات دکھا کر پھینک کر چلا بھی گیا۔۔۔۔۔"۔اسکے ضبط کی طنابیں ٹوٹی تھیں اور وہ پوری شدت سے دھاڑا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"بس۔۔۔۔۔ایک لفظ بھی مزید مت کہیے گا ورنہ پھر میں بھی آپ کی عمر اور عورت ہونے کا لحاظ بھول جاؤں گا"۔بہت سی گردنیں ایک ساتھ پیچھے مڑی تھیں۔مجمع میں بے چینی سی پھیلی تھی۔سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔جو کالے شلوار قمیض میں کہیں کہیں مٹی سے اٹے لباس کے ساتھ دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا کرخت تاثرات چہرے پر سجائے اس عورت کو گھور رہا تھا جو بد قسمتی سے ماہ روش کی چاچی تھی ۔جب اپنوں کے جھنڈ میں ہی ایسے ہاتھوں میں پتھر لئے بے مہر موجود ہوں تو غیروں کو سنگ ریزی کی ضرورت کیوں کر پیش آئے۔

"لو جی ایک اور طلبگار نکل آیا۔سوچا ہوگا بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لوں۔اس جیسے راہ پڑے مفت کے مال کو دیکھ کر تو کسی کا بھی ایمان خراب ہو سکتا ہے"۔تمسخر اڑاتی آواز میں کہتے وہ اسکے مقام و مرتبے سے یکسر انجان تھیں ورنہ یہ جسارت کبھی نہ کرتیں۔اس سب کے درمیاں وہ فق چہرہ لئے دہشت زدہ جھکی آنکھوں کے ساتھ اب بھی جامد بیٹھی تھی۔

سرخ چہرے اور بھینچے ہوئے جبڑوں کے ساتھ وہ آگے بڑھا تھا۔خوش قسمتی سے اسکی جیب میں نکاح نامہ اب بھی موجود تھا جسے برآمد کرکے کھولتا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے کیے کھڑا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"بیوی ہے میری۔اس لئے زبان سنبھال کر بات کیجئے گا۔اپنی عزت کو لے کر میں ایک لفظ مزید برداشت نہیں کروں گا"۔ مستحکم مگر سخت تنبیہ کرتی آواز وہاں موجود لوگوں کو سرگوشیاں کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔بشیر احمد کے قدم بھی دروازے سے اندر آتے اسکے الفاظ پر رکے تھے۔

"معاف کیجئے گا صاحب۔اسکو پتہ نہیں تھا"۔جلدی سے آگے بڑھ کر بنا پوری بات جانے ہی معذرت کر لی گئی تھی۔اسکی آواز میں پنپتا غصہ بتا رہا تھا انکی بیوی کوئی زہر میں ڈوبا تیر کماں سے نکال چکی تھی۔اسے سرزنش کرتی نظروں سے دیکھا تھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجتبیٰ کو دیکھ رہی تھی۔کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا مگر بشیر احمد کی گھبراہٹ پر چپ کر گئی تھی۔

مجتبیٰ نے نکاح نامہ تہہ کر کے جیب میں واپس رکھتے شاہانہ کو آنکھ سے اشارہ کیا تھا وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی ماہ روش تک آئی تھی کندھوں سے تھام کر اسے کھڑا کیا تھا اور پھر ایک بازو کا اس کے گرد حصار بنائے دوسرے سے اسکا کہنی سے ذرا اوپر بازو تھامے اسے لئے وہاں سے نکلتی مجتبیٰ کے پیچھے چل دی تھی اور وہ میکانکی انداز میں ان کے ساتھ آگے بڑھے جا رہی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

. . . .

. . . .

شاہانہ سے اس نے درخواست کی تھی کہ گھر تک وہ ماہ روش کے ساتھ رہے۔وہ بھی اسکی حالت کے پیش نظر حامی بھرتی اسے مجتبیٰ شاہ کے گھر تک چھوڑنے آئی تھی۔وہ آگے ڈرائیور کے ساتھ جبکہ وہ دونوں پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجتبیٰ نے ہر ممکن حد تک کوشش کر کے یہ کیس میڈیا پر آنے سے روک لیا تھا۔ماہ روش کی پولیس ریکارڈ میں رکھنے کے لئے بھی تصویر نہیں لی گئی تھی۔وہ ہر صورت اسے صیغہ راز رکھنا چاہتا تھا ۔اسے مزید اذیت سے بچانا چاہتا تھا۔

گاڑی مجتبیٰ شاہ کے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔واچ مین نے بیرونی دروازہ کھولا تھا۔

جس وقت وہ شاہانہ کے ہمراہ اندر کی جانب بڑھ رہی تھی اسکی حالت ایسی تھی کہ کسی بھی وقت ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتے گر سکتی تھی۔

"آسیہ خالہ کھانا گرم کر دیں اور ایک ٹرے اوپر روم میں پہنچا دیں"۔ حیرت بھری نظروں سے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جاتے کالی چادر میں چھپے اس وجود کو دیکھتی

Copyright by New Era Magazine

درمیانی عمر کی ملازمہ کو کہتا وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔ تھکن زدہ چہرے پر سوچ کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے۔

شاہانہ نے بڑی دقت سے اسے چند نوالے کھلائے تھے۔ جس کے بعد نیند آور سکون آمیز میڈیسن دی تھیں کچھ ہی دیر بعد وہ ہر غم دنیا سے آزاد تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی نیند کی مہربان آغوش میں پناہ گزین ہوتی سکون کی وادی میں اتر گئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ مسز شاہانہ۔ آپ نے بہت ہیلپ کی"۔ یورج میں اس کے سامنے کھڑے ہوتے وہ کہہ رہا تھا۔

"شکریہ کی کیا بات ہے سر یہ میرا فرض تھا۔ مگر آپ نے جو کیا وہ آپ کے فرض کی حدود سے باہر تھا۔ اللہ آپ کی یہ نیکی قبول کرے اور آگے بہت سی آسانیاں اور خوشیاں آپ کا مقدر بنیں"۔ صدق دل سے بتیس سالہ لیڈی کانسٹبل نے مسکرا کر کہا تھا۔ وہ جب سے فورس میں آیا تھا اپنی اچھی سلجھی ہوئی طبیعت، فرض شناسی اور ایمانداری کی وجہ سے اپنے بعض اعلیٰ حکام کے ساتھ ساتھ ماتحتوں کا بھی پسندیدہ تھا ۔ مگر کل کے بعد سے وہ ایک عورت کی حیثیت سے اسکی گرویدہ ہوئی تھی۔ پھیکی سی مسکان کے ساتھ اسے رخصت کیا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

ڈوبتے کو سہارا دینے کی جوانمردی ہر کوئی نہیں دکھا سکتا۔اور مجتبیٰ شاہ نے اپنے سٹیٹس ،معاشرتی دباؤ اور اس تلخ دردناک حقیقت سب کو ایک سائیڈ پر رکھتے ایک اہم اور مضبوط قدم آگے بڑھا کر ایک گینگ ریپ وکٹم کا ہاتھ تھاما تھا۔یہ آسان نہیں تھا۔باہر کے محاذ پر تو لڑنا ہی تھا مگر اس سب کے بعد ماہ روش ذہنی وجذباتی طور پر جس اذیت ناک کیفیت کا شکار ہوئی تھی اس کا نتیجہ ابھی نکلنا باقی تھا۔جس سے اسکی ذاتی زندگی بھی بری طرح متاثر ہونے والی تھی۔ظلم کی اس اندھیر نگری میں کسی کو تو شمع حق جلانی تھی۔اس میں جھلسنا اسکا مقدر بھی بنے گا مگر جو ثمر ملے گا وہ بہت ساروں کے لئے ایک نئی راہ کھول دے گا۔جہاں روشنی ہوگی۔ایک نئی صبح کا اجالا ہوگا۔اور اسے اس سب کے لئے اب راہیں ہموار کرنی تھیں۔جس کا عزم ان ذہانت سے چمکتی آنکھوں میں لئے ایک نئی اور دشوار گزر راہ کا مسافر بن بیٹھا تھا۔

رات کے دس بج رہے تھے کمرے میں داخل ہوتے اس نے نگاہ بیڈ پر ڈورائی تھی ۔گردن تک کمبل اوڑھے وہ گٹھری بنی لیٹی ہوئی تھی۔چادر اب بھی سر اور چہرہ ڈھانپے ہوئے تھی۔آگے بڑھ کر دوسرا سوٹ وارڈروب سے نکالتے وہ واش روم میں گھسا تھا۔کچھ دیر بعد نہا کر نکلا تو اب کی بار حالت قدرے بہتر تھی۔آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے بال برش کرتے خود کے عکس پر نگاہ پڑی تھی۔وہ دو دن سے ایک منٹ

Copyright by New Era Magazine

کے لئے بھی آنکھیں بند نہیں کر پایا تھا۔کچھ نیند کی وجہ سے اور کچھ پے در پے ہوئے واقعات نے اسکی آنکھوں کو سرخی کی سوغات سے نوازا تھا۔بڑھی ہوئی ہلکی شیو اور تھکن زدہ چہرے کے ساتھ وہ خود منتشر سا دکھائی دیتا تھا۔وہاں سے ہٹ کر ایک غیر ارادی نگاہ اس کے وجود پر پھر سے گئی تھی۔آہستگی سے دروازہ بند کرتے وہ باہر آیا تھا ۔اسکا رخ سرونٹ کواٹر کی طرف تھا۔دروازے پر دستک دی گئی تھی۔آسیہ نے دروازہ کھول کر اسکو حیرت سے دیکھا تھا۔

"آسیہ خالہ! مجھے امی کو لینے جانا ہے۔آپ پلیز آج رات گھر میں رک جائیں۔ چھوٹی بی بی کے پاس۔میں انشااللہ صبح سویرے تک واپس آجاؤں گا"۔حیثیت کا تعین ہو چکا تھا ۔ چھوٹی بی بی کے الفاظ پر آسیہ کی آنکھوں میں سوال ابھرا تھا مگر نوک زبان تک نہ آیا ۔ مجتبیٰ جان بوجھ کر اس سوال سے نظریں چرا گیا تھا۔فلحال سب سے ضروری امی کو واپس لانا اور سب بتانا تھا جو تین دن پہلے ہی آبائی حویلی گئیں تھیں۔وہ ایک جدی پشتی جاگیر دارانہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔اپنی جاب کی وجہ سے دو سال پہلے ہی وہ شہر منتقل ہوا تو اسکی امی بھی ساتھ چلی آئیں تھیں۔اس کے والد حیات نہیں تھے۔ایک چاچا تھے جو اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ حویلی میں مقیم تھے۔ابھی چند دن پہلے اسکی والدہ نے اسکی چچازاد فریحہ کے لئے اسکی رضامندی لی تھی۔چچا جان کی خواہش تھی

Copyright by New Era Magazine

جسکا ذکر انہوں نے بھابھی سے کیا تھا۔ مجتبیٰ کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ امی اسی سلسلے میں بات آگے بڑھانے کی غرض سے وہاں گئیں تھیں۔

اب اس سب کے بعد اسکے خاندان والوں کا جو بھی ردعمل آنا تھا وہ اسکے لئے غیر متوقع ہر گز نہیں تھا۔ وہ لوگ قدیم روایات کے پاسدار تھے۔ اسکا یہ اقدام انکے لئے کسی جھٹکے سے کم نہیں ہوگا۔ اسے اس سب کی پرواہ نہیں تھی فکر تھی تو صرف امی کی۔ وہ اس سب کو کس طرح لینے والی ہیں یہ سوچ تو اب حواس پر طاری ہوئی تھی۔

آسیہ اسکے سامنے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھی تھی۔ وہ انکے آبائی گاؤں سے تھی۔ ایک عرصے سے اپنے شوہر کے ساتھ ان کے ہاں ملازمت پیشہ تھی۔ گاڑی کے پاس کھڑے ہوتے موبائل کان سے لگائے اس نے ایک نظر ہاتھ پر بندھی رسٹ واچ پر ڈالی تھی۔

"اسلام علیکم امی"۔ کال ریسیو ہوتے ہی لہجے میں بشاشت لاتے وہ بول اٹھا۔

"وعلیکم سلام بچے۔ شکر ہے تمہاری آواز سننے کو ملی۔ کیسے ہو؟"۔ وہ شاید سو گئیں تھیں آواز ذرا بھاری سی معلوم ہو رہی تھی۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ سوری تھوڑی مصروفیت زیادہ رہی دو دن۔ آپ کے لیے میسج چھوڑا تھا"۔

Copyright by New Era Magazine

"ہاں مل گیا تھا میسج۔ مگر کیا کروں ماں ہوں ناں جب تک تمہیں دیکھ نہ لو۔ اپنے کانوں سے تمہاری آواز سن نہ لوں۔ سکون نہیں آتا"۔ انکے ممتا بھرے اظہار محبت نے اس قدر پریشانی کے عالم میں بھی اسے مسکرا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"بس پھر یوں سمجھیں میں پہنچا آپ کے پاس۔ آواز تو سن لی ہے اب اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیجئے گا"۔ فرنٹ ڈور کھول کر وہ بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔

"کیا مطلب؟۔ تم اس وقت آرہے ہو مجتبیٰ؟۔ بلکل نہیں صبح آنا بچے ابھی بہت رات ہو گئی ہے"۔ وہ پریشان ہوئی تھیں۔

"آج کل بہت مصروف ہوں امی۔ دن میں نکلنا ناممکن ہے۔ فکر مت کریں کون سا پہلی بار اتنی رات گئے نکل رہا ہوں۔ دو سال ہو گئے ہیں اب تو آپ بھی عادی ہو ہی جائیں"۔ نرمی بھرے انداز میں تسلی دی۔

"تو کوئی بات نہیں بیٹا۔ میں کل صبح خود ڈرائیور کے ساتھ آجاؤں گی تم مت آنا"۔ انکا دل کسی صورت اتنی رات گئے اسے اتنے لمبے سفر کی وہ بھی سنسان سڑکوں پر اجازت دے رہا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"امی پلیز بات کو سمجھیں۔کل صبح تک آپکا گھر ہونا بہت ضروری ہے۔اتنا انتظار نہیں کر سکتا میں۔پہلے ہی دیر کر دی ہے"۔بے بسی سے کہتے وہ انھیں چونکنے پر مجبور کر گیا۔

"مجتبیٰ۔۔۔۔۔سب خیریت ہے نا بیٹا؟"۔انکی بات پر وہ سنبھلا تھا

"جی سب خیریت ہے۔آپ تیاری رکھئے گا ہم انشااللہ فجر کے ساتھ ہی وہاں سے نکل آئیں گے"۔گہرا سانس فضا میں خارج کرتے اندر کی گھٹن کو کم کرتے وہ اصل بات پر آیا تھا جس کے لئے کال کی تھی۔

"اچھا ڈرائیور کو ساتھ لے کر آنا۔خبردار جو اکیلے آئے"۔بددلی سے اجازت دیتے ساتھ ہی اسے تنبیہ بھی کی تھی۔

"بے فکر رہیں۔میں یہاں سے نکلوں گا تو بس آپ اپنی غائبانہ پھونک مار کر ہمیشہ کی طرح آیۃ الکرسی کا حصار باندھ دیجئے گا۔انشااللہ ٹھیک چار گھنٹے بعد صحیح سلامت آپ کے پاس ہوں گا"۔وہ مسکرایا تھا۔ماں ہستی ہی ایسی ہے ہر درد سے نجات دلا دینے والی مہربان،شفیق،اپنی آغوش میں ہر تکلیف سے بچا کر چھپا لینے والی۔

"انشااللہ۔خیال سے آنا۔اللہ کی امان"۔

Copyright by New Era Magazine

"اللہ حافظ امی"۔موبائل کان سے اتارتے وہ خود کو اب قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا ۔ہیڈ لائٹس جلنے پر پہلے سے الرٹ ہوئے واچ مین نے مین گیٹ کھولا تھا۔اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے وہ گاڑی آگے بڑھا گیا تھا۔

. . . .

. . . .

تین بجے کے قریب وہ حویلی میں امی کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔اسکی اتنی رات گئے آمد پر جہاں امی کو اچنبھا ہوا تھا وہاں چچی بھی حیرت زدہ تھیں اس پر مستزاد اسکی جلدی واپسی کی رٹ انھیں متفکر کر گئی تھی۔

"بیٹا کچھ دیر تو رکتے۔تمہارے چچا جان شکار سے واپس آئیں گے تو خفا ہوں گے۔شام میں واپس نکل جانا"۔چچی محبت سے کہہ رہی تھیں۔عزیز وہ پہلے بھی تھا اب تو ہونے والا داماد بھی تھا۔

"چچا جان سے میں خود بات کر لوں گا چچی۔فلحال رکنا کسی صورت ممکن نہیں ہے ۔انشااللہ اگلی بار فرصت سے آؤں گا"۔زبردستی مسکرا کر کہتے ہوئے اسکی آنکھوں کے سامنے کالی چادر میں لپٹا سراپا لہرایا تھا۔اسکے اٹھنے سے پہلے پہلے وہ امی کے ہمراہ گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"چلو بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔ مگر ابھی کے لئے تو اٹھو منہ ہاتھ دھولو۔ پتہ نہیں کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔ میں کچھ بندوبست کرواتی ہوں"۔ مسکرا کر کہتے وہ کچن کی طرف گئیں تھیں۔ مجتبیٰ کی نگاہ ساتھ بیٹھیں امی تک گئی تھی جو خاموش لب لئے بڑی جانچتی نظروں سے اسکی حرکات وسکنات دیکھ رہی تھیں۔ وہ سرعت سے نظریں چراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ اب واقع ہی بھوک زوروں کی لگ رہی تھی"۔ بدقت مسکرا کر کہتا وہ بنا ان سے نظریں ملائے آگے بڑھ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بڑے سے پلر کے پیچھے دکھائی دیتا رنگین آنچل اسکی نظروں سے مخفی نہ رہ سکا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا وہاں کون ہے۔ مگر پھر بھی انجان بنتا سر جھٹک کر کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ پہلے سے بوجھل دل پر ایک اور بھاری سل آن پڑی تھی۔

. . . .

. . . .

امی اور چچی کے بے حد اصرار کے باوجود وہ ڈرائیور ساتھ نہیں لایا تھا۔ تھکے ہوئے شکستہ حال اعصاب کے باوجود وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ پورے راستے وہ ان سے چھوٹی موٹی ادھر ادھر کی باتیں کرتا آیا تھا۔ صبح سات بجے وہ شہر کی حدود میں داخل ہوئے تھے

Copyright by New Era Magazine

۔ایک چھوٹے سے ڈھابہ نما ہوٹل کے ایک طرف سائیڈ پر گاڑی روکتے اس نے چائے کے لئے کہا تھا۔

وہیں گاڑی میں ہی بیٹھ کر چائے پینے کے بعد وہ رخ انکی طرف موڑ کر بیٹھا تھا۔ایک نظر انکے چہرے پر ڈالی جو اسی کی منتظر تھیں۔وہ جانتی تھیں کوئی بات تو ضرور ہے مگر یہ بھی جانتی تھیں اس کو زبردستی بتانے پر اکسانا ناممکن ہے۔اس لئے وہ انتظار میں تھیں جب وہ خود انھیں کچھ بتاتا۔اور وہ گھڑی آ پہنچی تھی۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے؟"آہستہ سی مضبوط آواز میں سامنے ڈش بورڈ پر نگاہ رکھے وہ بولا تھا۔امی نے بنا کچھ کہے ہلکا سا سر کو خم دیا تھا۔

"میں نے پرسوں رات نکاح کر لیا ہے امی"۔وہ سرعت سے بولتا چلا گیا تھا۔اسکی بات پر انھیں اپنی سماعتوں پر کچھ غلط سن لینے کا گمان گزرا تھا۔بے یقینی سے سامنے بیٹھے اپنے انتہائی سعادت منداور فرمانبردار بیٹے کو دیکھا تھا۔جو اپنے ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں انکی رائے کو مقدم رکھا کرتا تھا۔وہ شاکڈ سی کیفیت میں بیٹھی تھیں۔مگر نہیں جانتی تھیں آگے جو وہ انھیں بتانے جا رہا ہے وہ انکے لئے بھی کسی قیامت سے کم ہر گز نہ ہونے والا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

گاڑی کے خاموش سنسنی خیز سے ماحول میں اسکی آواز پھر سے گونجی تھی۔بہت آہستگی سے بولتے وہ انھیں سب بتاتا جا رہا تھا۔اور ہر گزرتے لمحے انکے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ایک ہاتھ اپنے منہ پر رکھے وہ بے یقین خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں جو سامنے کسی غیر مرئی نکتے پر نگاہیں جمائے کسی ٹرانس کی سی صورت میں بولے جا رہا تھا۔

اسکے لب جس لمحے ساکت ہوئے تھے۔مریم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔خدا یہ درد یہ تکلیف کسی دشمن کے نصیب میں بھی نہ لکھے۔

"میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا امی۔میرے سامنے ایک شخص موت کی دہلیز پر کھڑا ہو کر بھی پیچھے رہ جانے والی پہلے سے ہی اجڑی بیٹی کے بے یار و مددگار ہو جانے کے دکھ کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔میں بس چاہتا تھا اسکا اگلا سفر کچھ تو آسان ہو۔تب مجھے واقع ہی میں کچھ اور سجھائی نہیں دیا تھا۔وقت کم تھا اتنی مہلت بھی نہیں ملی کہ آپ سے بات تک کر سکتا۔مجھے شرمندگی ہے کہ میں نے آپ کو بنا بتائے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔مگر بخدا امی مجھے اس فیصلے پر ذرا برابر بھی ندامت نہیں ہے۔میرا ضمیر کم از کم مطمئین ہے "۔اب کی بار وہ انھیں دیکھ رہا تھا۔مضبوط ارادوں کی آنکھوں میں چمک لئے تھکن زدہ سے چہرے کے ساتھ۔کتنی دیر گزر گئی تھی انکی زبان گنگ ہوتی کچھ بھی کہنے سے

Copyright by New Era Magazine

قاصر تھی۔انکی خاموشی مجتبیٰ کو اب پریشان کرنے لگی تھی۔اگر امی نے اسکے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تو ایک نیا محاذ کھل جاتا تھا۔جو شاید نہیں یقیناً اس کے لئے سب سے مشکل ثابت ہونے والا تھا۔اسکا دماغ ابھی سے چٹخنے لگا تھا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے مجتبیٰ۔بنا سوچے سمجھے تم نے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا؟۔تم نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ میں وہاں تمہارے رشتے کی بات کرنے گئی ہوئی تھی ۔بھائی صاحب کو اب کیا جواب دو گے تم؟۔اور اس لڑکی کو اپنی بیوی کی حیثیت سے کس طرح خاندان میں متعارف کرواؤ گے؟۔کیا لگا تھا تمہیں نکاح کر لیا تو کہانی ختم ۔۔۔۔اصل باب تو اب شروع ہونا ہے مجتبیٰ"۔کچھ دیر بعد انکی آواز پر اس نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا تھا جو اب قدرے بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر اضطراب کا شکار ہوئی تھیں۔انکے لب و لہجے میں سختی تھی۔وہ خموشی سے سب سنتا رہا تھا۔

"جانتا ہوں مشکل ہو گا امی پر۔۔۔۔۔میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ایسے کیسز میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔جب بھی کسی بھی معصوم کے ساتھ ایسا کچھ ہوتا ہے تو خون کھولتا ہے۔مجرم کو بیچ چوراہے پر عبرت کا نشان بنانے کا بھی جی چاہتا ہے۔پر کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ یوں ان ہی میں سے ایک کا اس طرح سے ہاتھ تھامنا پڑ جائے

Copyright by New Era Magazine

گا۔میں نے اس وقت جو بھی کیا صرف اور صرف نذیر صاحب کے لئے کیا"۔وہ صاف گوئی سے نگاہیں جھکا کر کہہ رہا تھا مریم نے سر کو نفی میں ہلایا تھا۔

"تو پھر تم نے غلط کیا مجتبیٰ۔ایک دم توڑتے انسان کی موت آسان کرنے کے لئے ایک جیتے جاگتے انسان کی زندگی مزید اس پر تنگ کر دی۔یہ رشتہ صرف ہمدردی کا متقاضی نہیں ہے۔اس میں محبت، عزت اور اعتبار کے بیج بونے پڑتے ہیں تب جا کر اچھے اور دیرپا مضبوط، پائیدار تعلق کے ثمرات مل پاتے ہیں۔وہ جس قیامت کو سہہ آئی ہے اسکے بعد تو کوئی ایسا ہونا چاہیے تھا جو اسے سمجھتا، اسکا کھویا وقار بحال کرنے میں رہبر بنتا ۔اپنی بے لوث محبت اور عزت سے اسکے دکھ چنتا۔مگر یہاں تو صرف ہمدردی ہے ۔ہمدردی بھی وہ جو تمہیں اس کے باپ سے تھی۔ایک عذاب سے وہ گزر آئی ہے ۔ایک نیا طوق تم نے اسکے لئے تیار کر چھوڑا ہے"۔وہ شدید غم و غصے کا شکار ہوئی تھیں جس کا برملا اظہار بھی کر رہی تھیں۔اور ایسا وقت مجتبیٰ شاہ کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا کہ اسکی ماں اس پر یوں برہم ہوئی ہو۔انکے سراپا سوال بننے پر اسکے الفاظ کھو گئے ہوں۔اپنا مطمع نظر ابھی خود اس پر ہی واضح نہیں تھا تو انھیں کس طرح تسلی بخش جواب دیتا۔وہ خاموش رہا تھا۔اور اس خموشی پر مریم شاہ نے بیٹے کو افسوس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"اب کہاں ہے وہ؟"۔خاموشی کو چیرتی آواز پر اس نے سر اٹھایا تھا۔

"گھر پر ہے"۔

"گھر چلو"۔انکی آواز میں اس کے لئے خفگی صاف نظر آ رہی تھی۔بنا کچھ کہے اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

ہونٹ بھینچے،مریم شاہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی مضطرب سی تھیں۔

. . . .

صبح جاگ جانے کے باوجود بھی وہ بستر پر پڑی رہی تھی۔ذہن بیدار ہوتے ہی زہریلی سوچوں نے اسے یرغمال بنانا شروع کر دیا تھا۔وہ کس کس بات پر ماتم کرتی۔اپنی پامالی پر یا اکلوتا قریبی رشتہ بچھڑ جانے پر۔کڑی دھوپ میں نرم ٹھنڈی چھاؤں سے باپ کے یوں اچانک ساتھ چھوڑ جانے پر تو وہ اور بھی بری طرح سے ٹوٹی تھی۔اپنے غموں میں کھوئے پتھریلی آنکھوں میں کسی کا دھندلا سا عکس لہرایا تھا۔وہ لیٹے سے سرعت سے اٹھی۔آس پاس شاہانہ کو تلاشنا چاہا۔ایک وہی تو تھی جو سارے وقت اسکے قریب رہی تھی۔اسکے ہونے کی ڈھارس ہی اسکے لئے اس وقت گزیر تھی۔اسے نہ پا کر اسکی ویران آنکھوں میں خوف کے سائے گہرے ہوئے تھے۔وہ پھر سے ایک مرد کے رحم و کرم پر تھی۔اس سے بھلے جو بھی رشتہ تھا اس سے اب فرق نہیں پڑتا تھا۔مرد ذات

Copyright by New Era Magazine

کے نام سے اسکا اعتبار اٹھ چکا تھا۔اس رات اسکی معصومیت و پاکیزگی ہی نہیں چھینی گئی تھی اس کا اعتبار کا آئینہ بھی کرچی کرچی ہوا تھا جس کی چھبن اب اس کے ساتھ ساتھ اس سے منسلک رشتے بھی محسوس کرنے والے تھے۔مجتبیٰ کا خیال ہی سوہان روح ثابت ہوا تھا۔رات وہ اسکے ساتھ ہی تو اس کے گھر آئی تھی۔ذہن تھوڑا بہت کام کر رہا تھا۔اور یہ ادراک جان لیوا تھا۔چہرے کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑتی اسکی سراسیمگی کی غماز تھی۔

دروازہ کھلنے پر اسکا پورا وجود لرزا تھا۔پھیلی آنکھوں میں خوف و ہراس لئے وہ اس طرف دیکھنے لگی تھی جب آسیہ نے اندر قدم رکھا۔

"بی بی جی آپ جاگ گئی ہیں۔میں پہلے بھی آئی تھی تب آپ سو رہی تھیں۔کہیں تو ناشتہ بنا دوں؟"۔مسکرا کر خیر مقدمی انداز اپنائے وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کی بے ربط سانسیں اسے دیکھ کر ذرا بحال ہوئی تھیں۔آسیہ کو اچنبھا سا ہوا اسکی حالت دیکھ کر۔وہ ذرا اور آگے بڑھی تھی۔

"کیا ہوا ہے جی۔کوئی پریشانی ہے۔صاحب کو نہ پا کر پریشان ہیں تو وہ اپنی امی کو لینے گئے ہیں ابھی واپس آتے ہوں گے"۔اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اسے یہی لگا تھا شاید وہ

Copyright by New Era Magazine

مجتبیٰ کی غیر موجودگی پر گھبرائی ہوئی ہے۔اب اسے کیا معلوم وہ اسکے ہونے کا خدشہ ہی اسکی حالت غیر کر گیا تھا۔

اسکی بات پر وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی تھی۔دبی دبی آواز میں روتی وہ اسے حیران و پریشان کر رہی تھی۔وہ بے چاری ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔تھوڑا اور اسکے قریب آتے بے بسی سے اسے دیکھا جس کا رونا اسکی سمجھ سے باہر تھا۔

"بی بی جی۔۔۔۔کچھ بتائیں تو سہی ہوا کیا ہے۔میں صاحب کو فون کروں؟"۔وہ اسکے پاس گھبرائی سی کھڑی ذرا جھک کر پوچھ رہی تھی جب مریم شاہ نے قدم اندر رکھے تھے ۔سامنے بیڈ پر بیٹھی چادر میں چھپی روتی ماہ روش کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس تک آئی تھیں۔

"تم جاؤ آسیہ۔میں دیکھتی ہوں"۔آسیہ انھیں دیکھ کر سر ہلاتی باہر کی طرف بڑھ گئی تھی دروازے پر جا کر ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا پھر کچھ سمجھ نہ آنے پر کندھے اچکا کر باہر نکل گئی۔

"لگتا ہے بی بی پر کوئی آسیب کا سایہ ہے" باہر نکل کر وہ آہستگی سے بڑبڑائی تھی۔

مریم شاہ نے ایک نظر اسکو دیکھا تھا جو اپنے ارد گرد سے بے نیاز زار و قطار رونے میں مگن تھی۔اس کے سامنے بیٹھ کر اسکے ہاتھوں کو پکڑا تھا۔چہرے پر سے اسکے ہاتھ

Copyright by New Era Magazine

ہٹانے پر ماہ روش نے بھیگی آنکھوں سے انھیں دیکھا تھا۔سیاہ چادر کے حالے میں چھپا وہ زرد رنگ، کملایا ہوا فق سگرٹ سے داغا گیا چہرہ لئے انھیں خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

مریم شاہ کا دل کٹا تھا۔وہ کم عمر سی نوخیز کلی کیسے حیوانیت کے نشے میں چور روند دی گئی تھی۔انسان اشرف المخلوقات بنایا گیا۔مرد کو محافظ قرار دیا گیا۔مگر آج وہی مرد اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اس قدر پستی میں گر گیا ہے کہ حیوان تو حیوان شیطان بھی منہ چھپاتا پھرے۔

بنا کچھ کہے انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔اور انکے سینے میں منہ چھپائے وہ اور بھی بلک بلک کر روئی تھی۔اپنائیت کا احساس رشتوں کا محتاج ہوتا ہے نہ ہی شناسائیوں کا ۔یہ تو کسی کے لئے بھی جاگ سکتا ہے۔روح کا روح سے اور دل کا دل سے تعلق ہونا کافی ہوتا ہے۔وہ خود عورت ذات تھیں۔عزت کی ردا کسی بھی عورت کے لئے کیا معنی رکھتی ہے بخوبی جانتی تھیں۔اور جب یہ تار تار ہوتی ہے تو روح کس طرح آہ و بکا کرتی ہے یہ اس وقت ماہ روش کی حالت انھیں بتا رہی تھی۔وہ اسے چپ نہیں کروا رہیں تھیں ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔اس وقت تسلی، دلاسے کے لئے الفاظ منہ سے نکلنا انکے لئے بھی آسان نہیں تھا کہ اسکا غم بڑا تھا۔اسکا رونا بلکنا جائز تھا اور شاید ضروری

Copyright by New Era Magazine

بھی تھا۔بعض غم ہوتے ہیں جو آنسو کی صورت بہہ جائیں تو ہی بہتر ہے ورنہ دل پر گرنے کی صورت میں اندر ہی اندر کسی خون آشام بلا کی مانند خون پیتے رہتے ہیں ۔زندگی دم توڑتی جاتی ہے۔اور باہر کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔

. . . .

. . . .

امی کو گھر چھوڑ کر وہ خود پولیس سٹیشن آیا تھا۔جو گاڑی حراست میں لی گئی تھی وہ کرائے کی تھی اور جس جگہ سے لی گئی تھی وہاں سے ان لوگوں کا جو ریکارڈ حاصل ہوا تھا وہ جعلی تھا۔یقیناً وہ لوگ پوری پلاننگ سے یہ سب کر رہے تھے۔اور نجانے کب سے کر رہے تھے۔

تانیہ مراد اسے پہلی ملاقات میں ہی مشکوک لگی تھی۔اگلے چند دن میں اس کے بارے میں جو معلومات ملی تھی اس سے کہیں انکشافات ہوئے تھے۔کہیں نہ کہیں اسے پہلے سے ہی لگتا تھا جیسے ڈی آئی جی عابد شیرازی کی بیٹی کی موت اور ماہ روش کے اغوا دونوں کا کچھ نہ کچھ کنکشن اسی سے جڑتا ہے اسی سلسلے میں وہ انکے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"جی مجتبیٰ اب بولو۔میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟"۔وہ انھیں اپنے خدشات سے آگاہ کر چکا تھا۔جس پر تشویش انھیں بھی ہوئی تھی۔ماہ روش کے کیس سے بھی وہ آگاہ تھے ۔اور ایک سال پہلے ہی اپنی جوان سال بیٹی کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا تھا۔سرخ آنکھوں اور مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ سنجیدہ سا سامنے بیٹھا تھا۔

"سر میں نے تانیہ مراد کے نام پر رجسٹر سم کارڈز چیک کروائے ہیں۔ان میں ایک ایسا بھی ہے جو کبھی کبھی ہی استعمال میں لایا جاتا ہے۔اور اس پر جتنی بھی کالز موصول ہوئی ہیں سب پرائیویٹ نمبر ز ہیں۔ابتدائی رپورٹس کے مطابق وہ ڈر گز ڈسٹر یبوشن میں ملوث ہے۔کچھ بڑے نام بھی اس کیس میں سامنے آ سکتے ہیں۔آپ کی سپورٹ درکار ہو گی"۔اسکی بات پر ڈی آئی جی صاحب کو شاک لگا تھا۔تانیہ کو وہ جانتے تھے وہ ایسا بھی کچھ کر سکتی ہے انکی سوچ کے دائرے سے باہر تھا۔

"بے فکر رہو۔انشااللہ تم تک کوئی پریشر نہیں آنے دیا جائے گا۔آج کل ویسے بھی میڈیا پر ایجوکیشنل انسٹیٹوٹس میں ڈر گز سپلائی کا اشیو بہت ہائی لائٹ کیا جارہا ہے ۔ایسے میں ہائی اتھارٹی پر بھی کافی پریشر ہے۔تم پوری جان لگا دو۔کوئی بھی بچ کر نہیں جانا چاہیے۔میں تمہارے ساتھ ہوں"۔انکی آواز میں جہاں ایک عزم تھا وہیں کہیں سلگتے غم بھی تھے۔انکی بیٹی کی ڈیتھ بھی ڈر گز لینے سے ہی ہوئی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"تھینک یو سر۔ایک اور بات بھی کرنی تھی"۔کچھ محتاط انداز اپنا کر کہنے پر انہوں نے سر ہلا کر اجازت دی تھی۔

"ہو سکتا ہے حبا کا کیس بھی ری اوپن ہو جائے۔میری تب بھی یہی رائے تھی سر۔وہ کیس ایسے وڈ ڈراء نہیں کرنا چاہیے تھا۔اتنا نارمل نہیں تھا سب جتنا دکھایا اور بتایا گیا تھا "۔یہ سب کہتے ہوئے وہ بہت پر اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ڈی آئی جی صاحب کا چہرہ فق ہوا تھا وہ زخمی سے انداز میں مسکرائے۔

"صرف مرنے والے کو نہیں دیکھا جاتا مجتبیٰ۔پیچھے جو رہ جاتے ہیں انکی فکر بھی کرنی پڑتی ہے۔حبا کے علاوہ میری دو بیٹیاں اور بھی ہیں۔اگر اس کے ڈرگ اڈیکٹ ہونے کی بات باہر نکلتی تو جو رسوائی مقدر بنتی اس نے میری زندہ بیٹیوں کے نصیبوں پر سیاہی مل دینی تھی۔ذلت کا خوف بڑے بڑے سورماؤں کو پچھاڑ کر رکھ دیتا ہے"۔ایک سال بعد وہ اس بات کا بہت شکستہ دلی سے اعتراف کر رہے تھے۔مجتبیٰ کو اس وقت ان میں اور نذیر احمد میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔سامنے بیٹھا شخص ایک باپ تھا جس کی مصلحت بھری خموشی پر وہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔

"لیکن مجھے خوشی ہے جو بہادری تم نے دکھائی۔ہمیں ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے۔تبھی یہ سسٹم بھی ٹھیک ہو گا۔ادارے پوری جانفشانی سے کام کریں گے تو ہی

Copyright by New Era Magazine

مجرموں کے غلیظ ہاتھوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا ۔اس بات کو جہاں تک ہو سکے صیغہ راز رکھنا۔ وکٹم کا نام، شناخت اور دیگر معلومات سامنے ہرگز نہ آئیں۔اور تم سے رشتہ تو کسی صورت نہیں۔ بہر حال جو بھی ہے تم نے رہنا اسی سسٹم میں ہے اور یہاں ایسی باتیں مرد کی کمزوری بنادی جاتی ہیں۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"۔بہت مخلصانہ انداز میں وہ اسے سمجھا رہے تھے وہ سر کو اثبات میں ہلا گیا۔

"اب بتاؤ تانیہ کی گرفتاری سے متعلق کیا اپ ڈیٹس ہیں؟"۔

"انشااللہ آج شام تک اریسٹ وارنٹ کے ساتھ اس کے گھر حاضری دیں گے"۔ مسکرا کر پر عزم انداز میں کہتا اب وہ بہتر لگ رہا تھا۔

"گڈ۔ لیکن اپنی صحت پر بھی دھیان دو۔ نیند پوری لو۔ تمہارے بغیر کام رک نہیں جائے گا"۔آخر میں اپنے سامنے رکھی اسکی فائل کو کھولتے اسے ذرا طنزیہ انداز میں لتاڑا بھی گیا تھا۔ انکی فکر پر وہ دل سے مسکراتا اپنے سامنے رکھی فائل پر جھکا تھا۔ کچھ اہم پوائنٹس ڈسکس کرنے تھے۔ انکا آپسی تعلق افسر ماتحت سے بڑھ کر رہا تھا۔ ڈی آئی جی صاحب کا کوئی بیٹا نہیں تھا مگر جب جب وہ اسے دیکھتے تھے۔ خواہش ہوتی تھی بیٹا ہو تو اس جیسا۔ اسکی ماں کی تربیت اسکی شخصیت کے رکھ رکھاؤ میں جھلکتی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

. . . .

. . . .

ثانیہ مراد کی گرفتاری کے ساتھ ہی دیگر گرفتاریاں بھی عمل میں لائی جا رہی تھیں۔ وہ بڑی سخت جان ثابت ہوئی تھی کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں تھی مگر چودہ دن کے جیوڈیشری ریمانڈ کے دوسرے دن ہی اسکی زبان پر لگا قفل کھل چکا تھا۔ ماہروش کے اغوا کے لئے مخبری اسی نے کی تھی۔ اس نے اعتراف جرم بھی کیا تھا اور دیگر سرغنہ ساتھیوں کا بھی بتایا تھا۔ جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ اور اب وہ وقت دور نہیں تھا جب سب سلاخوں کے پیچھے ہونے والے تھے۔

پورے ایک ہفتے کے بعد آج وہ چین کی نیند سویا تھا۔ صبح معمول کی نسبت آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی۔ جس دن وہ امی کو لے کر آیا تھا اسی دن سے ماہروش انکے روم میں شفٹ ہو گئی تھی۔ امی اس سے خفا تھیں مگر خوش آئند بات یہ تھی کہ ماہروش کے ساتھ انکا رویہ بہت اچھا تھا۔ اسے اس جانب سے کم از کم تسلی ہو گئی تھی۔ ان تمام دنوں میں اسکا براہ راست اس سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر مریم شاہ کے روم میں ہی پائی جاتی تھی اور اسکی اپنی ٹائمنگز کا آج کل کوئی اتہ پتہ نہیں تھا صبح سویرے کا نکلا

Copyright by New Era Magazine

وہ آدھی آدھی رات کو واپس آتا تھا۔اس سے ناراضگی کے باوجود جب رات گئے واپسی پر امی اسے لیونگ ایریا میں اپنا انتظار کرتی ملتیں تو اسے اک سکون کا سا احساس ہوتا تھا اب بھی فریش ہو کر وہ نیچے آیا تو وہ اسے ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھیں سیب کاٹتی دکھائی دیں ۔انکے پاس آکر سلام کرتے وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔جس کا انہوں نے بنا اسکی طرف دیکھے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"آسیہ! مجتبیٰ کے لئے ناشتہ بنا دو"۔ساتھ ہی ملازمہ کو بھی آواز لگائی گئی تھی۔وہ مسکرا دیا تھا۔مائیں ناراض ہو کر بھی کہاں بے نیاز ہو پاتی ہیں۔

"ابھی تک خفا ہیں؟"۔اسکی بات پر انکے ہاتھ رکے تھے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"ناراض نہیں ہوں۔بس تم سے ایسی ناعاقبت اندیشی کی توقع نہیں تھی مجھے"۔گہرا سانس بھرتے وہ دوبارہ سیب کی قاشیں بنانے لگی تھیں۔

"امی آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔اگر میں راہ چلتی عورت کی عزت کرتا ہوں تو کیا خود سے منسلک عورت کی نہیں کروں گا؟۔ہمدردی میں ہی سہی مگر اب تعلق جوڑا ہے تو پورے دل سے نبھاؤں گا بھی۔وہ بیوی ہے میری۔میرے نام سے جانی جائے گی میری عزت کہلائے گی تو اپنی عزت کی عزت کروانا بھی میری ذمہ داری ہوئی۔اور چچا جان سے بھی بات میں خود کر لوں گا۔آپ فکر نہ کریں۔بس آپ ساتھ

Copyright by New Era Magazine

دیجئے گا انشااللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ ماہ روش بھی نارمل ہو جائے گی "۔ انکے ہاتھ سے چاقو لے کر رکھتے اپنے ہاتھ میں انکا ہاتھ لئے وہ مکمل سنجیدگی لئے ہوئے بہت سوچ سمجھ کر اس دن پوچھے انکے سبھی سوالوں کے جواب دے رہا تھا ۔ اتنے دن لینے کا مقصد بھی خود کو سمجھنے کا تھا۔ وہ اپنے احساسات و جذبات کو ہر زاویے سے پرکھ کر اسکی حیثیت کا تعین کرنا چاہتا تھا۔ اتنے دنوں بعد مریم شاہ نے بیٹے کو مسکرا کر دیکھتے اسکا ہاتھ تھپکا تھا۔

"میں دوں گی تمہارا ساتھ مجتبیٰ۔ مگر احتیاط سے بیٹا یہ مشکل ہونے والا ہے۔ اسکی نفسیاتی و جذباتی حالت بہت قابل رحم ہے اس وقت۔ پچھلے آٹھ دن سے وہ میرے ساتھ رہ رہی ہے۔ تم جانتے ہو اس نے ہاتھ جوڑ کر منت کی تھی کہ میں اسے اپنے ساتھ یا پھر ملازمہ کے ساتھ رہنے دوں۔ وہ کسی صورت تمہارے روم میں رہنے کو تیار نہیں تھی۔ رات کو اٹھ کر روتی ہے۔ ارد گرد سے بے خبر کہیں کہیں گھنٹے خیالوں میں کھوئی رہتی ہے پکارے جانے پر چونک سی جاتی ہے۔ ٹی وی پر بھی کوئی مردانہ آواز سن لے تو بدک جاتی ہے۔ اسے سمیٹنا بہت مشکل ہونے والا ہے۔ میری تو چند دنوں میں ہی بس ہو گئی ہے۔ اسکی حالت پر دل خون کے آنسو روتا ہے"۔ اب بھی افسردگی سے کہتے انکی آنکھوں میں نمی کی آمیزش تھی۔ مجتبیٰ جو پوری طرح سے انکی جانب متوجہ تھا قدموں

Copyright by New Era Magazine

کی آہٹ پر پیچھے مڑا تھا۔آسمانی رنگ کی قمیض کے ساتھ سفید شلوار اور بڑے سے چکن کے دوپٹے کو اچھے سے سر پر لئے وہ اپنا بایاں گال بھی پوری طرح چھپائے ہوئے تھی ۔دائیں جانب سے نیم چہرہ دکھائی دیتا تھا۔سامنے غیر متوقع طور پر اسے پا کر اسکے قدم وہیں پر جم سے گئے تھے۔آنکھوں میں عود آتی وحشت اور چہرے پر پھیلا خوف مجتبیٰ کو بھی محسوس ہوا تھا۔اپنے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں اس قدر زور سے بھینچی تھیں کہ اپنے ہی ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو گئے تھے۔

"ماہ روش! آجاؤ بیٹا"۔اسے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مریم شاہ نے پکارا تھا ۔خوفزدہ نظروں سے انھیں دیکھتے اس نے تھوک نگل کر خشک کانٹا ہوتے گلے کو تر کیا تھا۔

"میں۔۔۔۔میں بعد میں آجاؤں گی"۔دو قدم پیچھے الٹے لیتے وہ کہتے ہوئے ہکلائی تھی پھر مڑ کر سرعت سے چلتی گئی تھی۔یہاں تک کہ صوفے کی سائیڈ پر دھرا چھوٹا میز بھی اسے دکھائی نہیں دیا تھا جھٹکا سا کھاتے وہ ہلکا سا جھکی تھی اسکے گھٹنے کو بہت زور سے اسکا کونا لگا تھا مگر وہ پھر بھی بے حس بنی بنا رکے آگے بڑھ گئی تھی۔ نظروں سے اوجھل ہو جانے تک مجتبیٰ اور مریم کی نگاہوں نے اسکا پیچھا کیا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

وہ گردن موڑے سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ مریم نے بیٹے کا متفکر چہرہ دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا اتنے دنوں میں وہ کچھ تو سنبھل گئی ہو گی۔ مگر وہ تو سراسیمگی کی انہی حدوں کو چھو رہی تھی۔ آسیہ ناشتے کی ٹرے لے آئی تھی۔ اس کے سامنے رکھ کر وہ واپس ہوئی تو مریم کی آواز نے اسے سوچوں کے جہاں سے حال میں واپس لایا تھا۔

"ناشتہ کر لو۔ اسے کچھ وقت دو اتنا جلدی معمول پر آنا اس کے لئے ناممکن ہے۔ یہ ایک طویل عمل ہے۔ جس کے لئے تمہارا مضبوط اور پر سکون رہنا سب سے زیادہ ضروری ہے"۔ سر ہلاتا وہ بے دلی سے ناشتہ کرنے لگا تھا۔ دل یک دم اچاٹ ہوا تھا۔ مگر امی کے سامنے اب ناشتے سے انکار کر وہ اپنی سختی کو خود آواز نہیں دینا چاہتا تھا۔

"میں اسے دیکھتی ہوں۔ کھانے پینے میں بہت تنگ کرتی ہے"۔ سیب والی پلیٹ ہاتھ میں لئے وہ اٹھ کر اسکا کندھا تھپتھپاتی ہوئی آگے بڑھ گئیں تھیں۔ اور وہ غائب دماغی سے چھوٹے چھوٹے نوالے بنائے منہ میں ڈالتے خود کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

. . . .

ٹو سیٹر صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کیے آلتی پالتی مار کر بیٹھی وہ خلا میں خالی نظروں سے گھور رہی تھی۔ اسکے ساتھ بیٹھنے پر وہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔ پھر انھیں دیکھ کر دوبارہ پر سکون ہوئی۔

Copyright by New Era Magazine

"ماہ روش۔یہ لو بیٹا کھاؤ"۔نرمی سے اسکے آگے میز پر پلیٹ رکھتے اسے متوجہ کیا تھا ۔اس نے صرف اک نظر سامنے ڈالی تھی پھر انکی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"بھوک نہیں ہے"۔اسکی آنکھیں خشک تھیں مگر آواز بھرائی ہوئی سی لگتی تھی۔

"اونہوں۔۔۔۔بری بات۔کھانے پینے کی چیز سامنے پڑی ہو تو یوں انکار نہیں کرتے ۔کفران نعمت ہوتا ہے۔بھوک تو فطری سا عمل ہے بچے۔وقت اور کیفیت کیسی بھی ہو پیٹ کھانا مانگتا ہے۔یہ تو دل ہے جو اس پر بھوک نہ ہونے کے فتوے عائد کر دیتا ہے ۔اب شاباش چپ چاپ یہ کھاؤ۔ورنہ مجتبیٰ کی طرح تمہیں بھی ڈانٹ پڑ سکتی ہے "۔متانت سے سمجھاتے آخر میں جان بوجھ کر مجتبیٰ کا ذکر کیا تھا۔ساتھ ساتھ کن اکھیوں سے اس کے چہرے پر بدلتے موسم کے رنگ دیکھ کر بھی انجان بن گئیں تھیں۔اب کی بار اس نے انکار نہیں کیا تھا۔پلیٹ میں سے ایک قاش اٹھا کر دانتوں سے کترنے لگی تھی۔

مریم شاہ نے اسکے پاس سے اٹھ کر گلاس ونڈو کے سامنے سے دبیز پردے ہٹائے تھے ۔چھن چھن کرتی دھوپ اندر پڑتی روشنی بکھیرتی چلی گئی۔پلٹ کر دوبارہ اسے دیکھا تھا ۔جسمانی طور پر وہ پہلے سے بہتر معلوم ہوتی تھی زخم مندمل ہو چکے تھے۔چہرے اور گردن پر جھلسنے کے اب سیاہی مائل سے دھبے بڑے واضح دکھائی دیتے تھے جنہیں وہ

Copyright by New Era Magazine

ہمہ وقت دوپٹے کی اوٹ میں چھپائے رکھتی تھی۔ سر کا دوپٹہ ذرا سا سر کا تھا۔ بالوں کی نمی سے اندازہ ہوتا تھا وہ شاید ابھی نہا کر نکلی تھی۔

"ماہ روش بیٹا موسم بدل رہا ہے۔اتنا نہانے سے بیمار پڑ جاؤ گی۔ صبح سویرے شاور لے تو لیا تھا"۔ سرسری سا انداز اپناتے ہوئے انہوں نے جیسے ٹوکا تھا۔ بدلے میں اس نے کرب سے نگاہیں چرائی تھیں۔اور یہ تو مریم شاہ بھی جانتی تھیں وہ دن میں کہیں بار گھنٹوں شاور کے نیچے بیتا دیتی تھی۔ مگر جس نجاست کو دور کرنا چاہتی تھی وہ پھر بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ آگے بڑھنے کے لئے بعض حقیقتوں سے نظریں جان بوجھ کر چرانی پڑتی ہیں۔اسی میں بہتری پوشیدہ ہوتی ہے ہم سے جڑے رشتوں کی۔ ہمارے پیاروں کی۔ مریم شاہ اس وقت وہی کر رہی تھیں۔ ماہ روش کی بہتری اور مجتبیٰ اور اسکے رشتے کو منوانے کے لئے انھیں ایسی بہت سی باتوں کو نہ صرف خود نظر انداز کرنا تھا بلکہ اسے بھی ان کے چنگل سے باہر نکالنا تھا۔

. . . .

وہ جوں ہی اپنے آفس پہنچا تھا اہلکار نے اسے تانیہ مراد کے ماں باپ کے آنے کی اطلاع دی تھی جو کافی دیر سے اس کے منتظر تھے۔انھیں اندر بھیجنے کا کہہ کر خود وہ آرام دہ

Copyright by New Era Magazine

انداز میں پیچھے ٹیک لگا کر اپنی چیئر پر بیٹھا تھا۔ مسٹر اور مسز مراد پریشان حال سے اندر آئے تھے۔اس نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی تو بتایئے مراد صاحب۔کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی"۔وہ سیدھا ہوتا بیٹھا انھیں ہی دیکھتا پروفشنل انداز اپنائے ہوئے تھا۔

"سر۔۔۔میری بیٹی بے قصور ہے۔کوئی اسے پھنسا رہا ہے"۔سامنے بیٹھے شخص کی بات پر اسکی بھنویں آپس میں جڑی تھیں۔

"تو پھر سارے ثبوت کیوں آپ کی بیٹی کے خلاف ہیں؟۔آپ کی بے قصور بیٹی اپنے منہ سے اعتراف جرم کر رہی ہے۔عدالت اسے گلٹی ثابت ہونے کے بعد گرفتاری کا حکم دے چکی ہے اور آپ یہ جواز پیش کر رہے ہیں"۔ناچاہتے ہوئے بھی وہ تلخی کا مظاہرہ کر بیٹھا تھا۔مراد کے جھکے کندھے کچھ اور جھکے تھے۔انکی بیوی باقاعدہ رونے لگی تھی۔جھکی آنکھوں کے ساتھ بہت دکھ سے وہ پھر سے ہمت کرتے ہوئے بولے۔

"میں بیٹی والا ہوں لوگ سو سو طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔۔۔۔"۔

"تو جس کے ساتھ اس نے یہ سب کیا ہے وہ بھی کسی کی بیٹی تھی۔اور نجانے کتنی بیٹیوں کی عزتوں کی وہ سودا گر بنی ہوئی تھی۔مجھے افسوس ہوتا ہے آپ جیسے والدین پر جو اپنی اولاد سے اس قدر غافل ہو بیٹھتے ہیں کہ کبھی جان ہی نہیں پاتے۔انکی اولاد کس

Copyright by New Era Magazine

طرح سانپ بن کر کسی اور کی اولاد کو ڈس رہی ہے۔ آپ ایک معمولی کلرک ہیں۔ مگر آپ کی بیٹی کا جو لائف سٹائل تھا کبھی پوچھا بھی آپ نے کہ وہ اتنے پیسے لاتی کہاں سے ہے؟"۔ دبی دبی آواز میں وہ سخت لہجے میں تاسف سے کہہ رہا تھا۔ ابھی بھی سامنے بیٹھا شخص صرف اپنی بیٹی اور اپنی عزت کا دکھ منا رہا تھا۔

"وہ تو کہتی تھی آن لائن کوئی کام کرتی ہے جس کے پیسے ملتے ہیں"۔ دوپٹے سے ناک سے بہتا پانی صاف کرتے اس بار کا جواب اسکی ماں کی طرف سے آیا تھا۔ مجتبیٰ کو بیک وقت سامنے بیٹھی خاتون سے ہمدردی بھی ہوئی تھی اور تاؤ بھی آیا تھا۔ جوان اولاد کے ماں باپ کو اتنی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تلخی سے مسکرایا۔

"اور آپ نے اس پر اندھا اعتماد کر لیا۔ ایک بار بھی خود سے تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کرتے بھی کیوں پیسے جو گھر آ رہا تھا اور پیسہ کسے برا لگتا ہے۔ مگر آپ کی یہ غفلت آپ کی بیٹی کو تباہی کے دہانے پر لے آئی ہے۔ اب بھگتیں"۔ اسکا چہرہ سرخی مائل ہوتا لہو چھلکانے کو تھا۔ آنکھوں میں سرد مہری سی آتش سلگنے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ سفاکی پر اتر آیا تھا مگر اس وقت ان دونوں کو دیکھ کر سچ میں اسکا خون کھول اٹھا تھا ۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو سرکشی کے گھوڑے پر سوار کھلا چھوڑ دیتے ہیں

Copyright by New Era Magazine

۔اور وہ دوسروں کے گھروں کی زینتیں کچلتے چلے جاتے ہیں۔اور پھر ایک وقت آتا ہے جب منہ کے بل گرتے ہیں تب انکے ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔

"بہتر ہو گا آپ لوگ یوں پولیس سٹیشن کے چکر لگا لگا کر اپنے آپ کو نہ تھکائیں۔ہاں عدالت آپ رجوع کر سکتے ہیں۔مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ڈرگ سپلائی اور کسی کے ساتھ زیادتی کے لئے معاون کار بننے جیسے سنگین جرائم میں انشااللہ وہاں سے بھی آپ کو مایوسی ہی ہو گی"۔اپنی بات پر زور دیتے کہہ گویا بات ختم کرتے ہونٹوں کو سختی سے باھم پیوست کیے وہ سامنے رکھی فائل کھولنے لگا تھا۔ان دونوں میاں بیوی نے اس کے قطعیت بھرے انداز کو ملاخطہ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر شکستہ سے انداز میں اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔ان کے جانے کے بعد اس نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا تھا پھر غصے سے سر کو جھٹکا تھا۔اسے ان دونوں کو اب بھی صرف اپنی بیٹی کی بچانے کے لالے پڑے دیکھ اس کو غم و غضب کی کیفیت نے گھیرا تھا۔کوئی اتنا خود غرض کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے خود سے منسلک رشتوں کے گھناؤنے چہرے دیکھ کر بھی مظلوم سے ہمدردی نہ ہو۔پھر بھی ظالم کو بچانے کی تگ ودو میں ہلکان ہوئے پھرتے ہوں۔وقت نے اسکا جاہ و جلال سے تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ کر پراسرار سا تبسم بکھیرا تھا۔بہت جلد وہ بھی خونی رشتوں کی کسوٹی پر پرکھا جانے والا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

. . . .

وہ نماز پڑھ کر اٹھیں تھیں جائے نماز تہہ کر کے رکھتے جیسے ہی مڑیں تو بیڈ پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ عجیب نظروں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔انھیں اکثر اسکی نگاہوں میں چھپی وہ چینختی خموشی خوفزدہ کرتی تھی۔دوپٹہ ٹھوڑی سے ذرا نیچے سے ڈھیلا کرتے وہ بھی اسکے پاس ہی آ بیٹھی تھیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"۔وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں تو اسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھیں۔

"آپ کتنی خوش قسمت ہیں امی۔اللہ نے آپ کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کی توفیق دے رکھی ہے"۔حسرت بھرے لہجے میں وہ انکو دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی تو مریم شاہ مسکرا دیں۔اتنے دنوں میں یہ اسکا پہلا طویل جملہ تھا۔اسکی چپ ٹوٹنے لگی تھی

۔

"یہ در تو اللہ نے ہر مسلمان کے لئے کھول رکھا ہے۔بلکہ وہ ذات تو منتظر رہتی ہے کون ہے جو اس کی پکار پر لبیک کہتا کھچا چلا آئے گا۔اور پھر فلاح والا کہلائے گا"۔انکے نرمی سے کہنے پر وہ چپ رہی تھی بس ویران آنکھوں سے انھیں دیکھتی رہی۔

Copyright by New Era Magazine

"تم بھی نماز پڑھا کرو بیٹا۔ دل کو سکون سا آجاتا ہے"۔ اسے خموش دیکھ کر وہ پھر سے بولیں تو ماہ روش نے تعجب سے انھیں دیکھا تھا۔

"میں کیسے نماز پڑھ سکتی ہوں؟"۔ سراسیمہ سی ہوئی وہ انھیں چونکا گئی۔

"کیوں بیٹا۔ تمہیں نماز پڑھنا نہیں آتی؟"۔ انھیں حیرت ہوئی تھی۔ وہ اداسی سے مسکرائی۔

"نہیں آتی تو ہے۔ آپ کو پتہ ہے فجر کو تو میری آنکھ الارم بجنے سے پہلے ہی کھل جاتی تھی۔ ابو کو بھی میں ہی جگایا کرتی تھی نماز کے لئے۔ مگر تب تو میں پاک تھی۔ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے میں شرمندگی نہیں ہوتی تھی"۔ وہ رکی تھی پھر تھوڑا اور انکی طرف سرک کر انکا ہاتھ پکڑا تھا۔ اسکے انداز میں بدحواسی اور ایک عجب سی دیوانگی جھلکتی تھی۔ جیسے وہ اپنے آپ میں نہ رہی ہو۔ آنکھوں سے اشک بھی رواں ہونے کو تھے۔ جیسے برداشت کا دامن ناچاہتے ہوئے بھی ہاتھ سے چھوٹ رہا ہو۔

"مگر اب تو میں پاک نہیں رہی۔ میں نجس ہو گئی ہوں۔ اور۔۔۔۔ اور یہ ایسی گندگی میرے وجود سے چمٹ گئی ہے کہ بار بار غسل کرنے سے بھی دور نہیں ہو رہی۔ اتنا رگڑ رگڑ کر نہاتی ہوں میں پھر بھی دیکھیں وہیں کی وہیں ہوں۔ پاک ہی نہیں ہو پاتی۔ اللہ تو پاک ہے۔ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ میں ایسی حالت میں کیسے اسکے روبرو

Copyright by New Era Magazine

کھڑی ہو جاؤں؟"۔اسکے درد میں ڈوبے الفاظ انھیں ششدر چھوڑ گئے تھے۔وہ تکلیف بھری نظروں سے بس اسے دیکھتی رہ گئیں جس کے گال اب آنسوؤں سے تر ہونے لگے تھے۔انکی اپنی زبان گنگ رہ گئی تھی۔کچھ بھی بولنے سے قاصر۔سامنے بیٹھی اٹھارہ سال کی لڑکی کے یہ الفاظ انسانیت کے منہ پر طمانچے جیسے تھے۔یہ اللہ کی بنائی کیسی مخلوق تھی جسے اپنا نائب مقرر کر کے دنیا میں اتارا گیا۔مگر اس کی کریہہ صورت ایسی سامنے آئی جس کا شکار ہوئی ایک معصوم جان بنا جرم کے بھی خود کو گناہ گار تصور کرتی انسانوں سے تو کیا خالق سے بھی چھپتی پھر رہی تھی۔

بنا کچھ بھی کہے انہوں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔چوکھٹ پر کھڑے دنگ کیفیت کا شکار مجتبیٰ میں اتنی اخلاقی جرات نہ رہی تھی کہ وہ چند قدموں کا فاصلہ طے کرتے اسکے سامنے کھڑا بھی ہو پاتا۔وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا اسکا حال پوچھنے کے لئے مگر جس حال میں اسے دیکھ لیا تھا کچھ پوچھنے کی ضرورت رہی ہی کب تھی۔بنا اپنی وہاں موجودگی کا ان دونوں میں سے کسی کو احساس دلائے وہ ضبط سے لال ہوئی رنگت کے ساتھ پلٹتا چلا گیا۔

کتنی دیر گزر گئی تھی جب انہوں نے خود کو کچھ کہنے کی ہمت دلائی تھی۔آہستگی سے اسے خود سے الگ کیا،اسکے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی سے صاف کرتے اسکا

Copyright by New Era Magazine

ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔اب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھیں ایک دوسرے کو دیکھ رہیں تھیں۔جب اپنی مخصوص نرم و شفیق سی آواز میں انہوں نے بولنا شروع کیا۔

"تم جانتی ہو ماہ روش۔ایک دن ہم سب نے پروردگار عالم کے سامنے پیش ہونا ہے ۔اس دن سب سے بڑی عدالت لگائی جائے گی۔ایک تاحد نگاہ نظر آتے میدان میں انسانوں کا جم غفیر ہوگا۔وہاں مخلوق کے ساتھ ساتھ خالق بھی موجود ہوگا۔اور اس دن ماہ روش۔۔۔۔اللہ تمہیں معصوموں میں اٹھائے گا۔تمہاری بے گناہی اور پاکدامنی کی گواہی وہ ذات خود دے گی جس کے آگے میرے،تمہارے یا پھر کسی دوسرے تیسرے کے کہے کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔تو کیا اللہ کی گواہی سے بڑھ کر کوئی شے ہے جو تمہیں پاکباز ثابت کرے؟"۔وہ الفاظ نہیں تھے وہ طلسم تھے جو اس پر سحر پھونک گئے تھے۔جھلستی روح پر ٹھنڈی پھوار سی برسی تھی۔دل کی بے کلی ان پلوں میں کسی وجدانی کیفیت کے زیر اثر لمحوں میں زائل ہوئی تھی۔ایک گرہ تھی جو کھلتی چلی گئی۔بعض الفاظ ہوتے ہیں جو ہمیں نئی زندگی کی نوید سنا جاتے ہیں۔انسان کے ذہن میں پنپتے پیچیدہ ان سوالوں کا جواب اکثر عام سی باتوں میں چھپا ہوتا ہے۔

"لیکن اس دن اللہ پھر تم سے یہ بھی پوچھے گا کہ تم نے اپنی جان پر ظلم کیوں کیا؟۔یہ جسم یہ روح تو میری امانت تھی۔کسی ظالم کے کیے کی سزا انکو کیوں دیتی رہی۔وہ تم سے

Copyright by New Era Magazine

یہ بھی پوچھے گا ماہ روش۔۔۔کہ جب میں نے تمہیں آزمائش کے لئے چنا تو تم نے کیا کیا؟۔سورت توبہ میں اللہ پاک فرماتا ہے انسان تک صرف وہی مشکل آتی ہے جسے اللہ اس تک آنے دیتا ہے۔ہر تکلیف اللہ کے ازن سے ہی آتی ہے۔کیوں کہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو تنگی و تکلیف میں بھی مجھے یاد رکھے گا اور بخوشی صبر کرے گا ۔خوش حالی میں تو سبھی شکر کر لیتے ہیں۔یہ تو مصیبت ہے جو آجائے تو کمزور ایمان والے اللہ سی بد ظن ہونے لگتے ہیں۔لیکن جنکا ایمان مضبوطی لئے ہوتا ہے وہ جان لیتے ہیں اگر اللہ نے اس آزمائش کے لئے مجھے منتخب کیا ہے تو بے شک اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہے جو فلحال مجھے نظر نہیں آرہی مگر میرا رب سب جانتا ہے،سب دیکھتا ہے۔۔۔اور جو صبر کرتے ہیں ایک وقت آتا ہے جب اللہ ان پر شکر کرنے کے در کھول دیتا ہے۔میں یہ دعا کرتی ہوں ماہ روش کہ اللہ تمہیں یہ توفیق دے۔اور تم دیکھنا کچھ سالوں بعد ہی سہی وہ تمہیں بتائے گا ضرور کہ اس نے تمہیں اس مشکل میں کیوں ڈالا تھا وہ اپنی مصلحتوں کے راز بھی تم پر کھول دے گا شرط صرف یہ ہے کہ تم صابر رہو۔اب اٹھو وضو کرو اور پورے حق کے ساتھ اس کے روبرو کھڑی ہو۔وہ اب بھی تمہارا منتظر ہے۔اس کے سامنے جی بھر کر رو بھی لینا کیونکہ جو انسان اللہ کے سامنے روتا ہے خالق پھر اس کے آنسو مخلوق کے سامنے کبھی نہیں رولتا۔اپنا سارا درد

Copyright by New Era Magazine

کہہ دینا۔وہ بہترین طبیب ہے پھر دیکھنا وہ کس طرح تمہاری روح کو ہیل کرے گا ۔تمہارے دل کو پھر سے آباد کرے گا"۔اسکا ہاتھ تھپتھپا کر آخر میں وہ مسکرائیں تھیں۔انکی باتوں کے زیر اثر وہ جو کسی اور ہی جہاں کا سفر طے کر رہی تھی۔اس لمحے میں واپس آئی تھی۔آنکھ سے ایک قطرہ بھی گرا تھا۔مگر وہ کسی درد، کسی رنج کا شاخسانہ نہیں تھا۔نہ ہی وہ خوشی کا تھا۔وہ سکون کا آنسو تھا اور وہ انمول تھا۔سکون کے آنسو، وہ ہر آنکھ سے نہیں چھلک جایا کرتے۔وہ ہر آنکھ کا نصیب بھی نہیں بن جایا کرتے۔وہ منتخب کیے ہوئے کو ہی عطا کیے جاتے ہیں۔اور ماہ روش کو اس لمحے منتخب کر لیا گیا تھا ۔سترہ دنوں کے بعد ایک ہلکی سی مسکان نے اسکے صبیح چہرے کا رخ کیا تھا جو ہمہ وقت کبھی وہاں بسیرا کیے رکھتی تھی۔مگر پھر مسکراہٹ کا پنچھی اڑ گیا تھا۔آج پھر سے وہ واپس آیا تھا اپنی شاخ پر اک کڑی اور لمبی مسافت طے کرتے۔

ایک ہاتھ سے چہرہ صاف کرتے نرمی سے اپنا ہاتھ انکے ہاتھوں سے نکال کر انکا ہاتھ تھاما تھا۔اور پھر پوری عقیدت سے انکے ہاتھ کی پشت کو اپنے ہونٹوں سے چوما تھا۔

نم آنکھوں میں تشکر لئے وہ ہولے سے مسکائی تھی۔اس نے بنا ایک لفظ کہے بھی اپنے احساسات بخوبی اپنے ایک چھوٹے سے عمل سے ان تک پہنچا دیے تھے۔مریم شاہ

Copyright by New Era Magazine

پورے دل سے مسکرائی تھیں۔بے اختیار انکے دل سے اسکے لئے دعا نکلی تھی اور کچھ دعائیں ہوتی ہیں جو مانگنے سے بھی بہت پہلے مستجاب ٹھہرا دی جاتی ہیں۔

"اٹھو بھی اب"۔مصنوئی ڈپٹ سے کہنے پر وہ تیر کی سی تیزی سے اٹھی تھی۔جیسے کسی نے اسکے پیروں میں ڈالی گئی سبھی زنجیریں کھول اسے آزادی کا اذن تھما دیا ہو۔

جس لمحے وہ جائے نماز پر کھڑی ہوئی تھی مریم شاہ دانستہ کمرہ چھوڑ گئی تھیں۔

اس نے نیت باندھی تھی۔پوری توجہ سے وہ نماز پڑھ رہی تھی۔جوں جوں زیر لب کلمات کہتی جاتی تھی۔دل کا گداز پن بڑھتا جاتا۔پہلے اسکی آنکھیں دھندلائی تھیں ۔رکوع کی حالت میں وہ چھلکیں۔اور سجدے تک جاتے جاتے وہ بے آواز رو رہی تھی ۔ہیلنگ کا پروسس شروع ہو گیا تھا۔دل کی حالت بدلنے لگی تھی۔روح کا سکون واپسی کے پر تولنے لگا تھا۔

. . . .

مجتبیٰ شاہ حویلی میں موجود تھا۔مریم شاہ کے بے حد اصرار پر بھی وہ انھیں ساتھ نہیں لا پایا تھا۔جانتا تھا چچا جان ناخوش ہوں گے تو گرجے گے بھی اور اپنی ماں کو کسی کے سامنے شرمندہ ہوتے وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔یہ اس کا فیصلہ تھا تو نتائج بھی اسی کو بھگتنے تھے۔

Copyright by New Era Magazine

"اس بار تو بڑے دنوں بعد چکر لگایا تم نے۔بھا بھی بھی گئیں تو سر سری سی ھی ایک دو بار فون پر بات ہو سکی ہے۔میں اور رخسار شہر آنے کا سوچ رہے تھے"۔سامنے صوفے پر بوسکی کے سوٹ میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ اپنی پر رعب شخصیت کے بر عکس اس سے مسکرا کر بات کر رہے تھے۔

"جی۔آپ جانتے تو ہیں میری جو جاب ہے اس میں کوئی معین وقت تو مقرر ہوتا نہیں ہے۔اور پھر آج کل ایک دو بہت اہم کیسز میں الجھا ہوا ہوں"۔چچی چائے لے کر آئیں تو تشکر بھرے انداز میں ہلکا سا مسکرا کر انکے ہاتھ سے چائے لی تھی۔

"مجھے تو شروع سے ھی اس نوکری چاکری پر اعتراض تھا۔ارے بھئی اپنی زمین جائیداد سنبھالو۔اتنا سب کچھ ہے تو کس لئے پچاس ساٹھ ہزار کی نوکری کے لئے خوار ہوتے پھر رہے ہو"۔چائے کا گھونٹ لیتے وہ رعونت سے بھرپور انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کیوں بچے کا جی خراب کرتے ہیں۔اسکا شوق ہے کرنے دیں اسکو"۔چچی فوری طور اسکی حمایت میں بولتے انکے ساتھ ھی بیٹھی تھیں۔مجتبیٰ نے اپنا کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔تھوڑا آگے ہو کر بیٹھتا وہ دونوں ہاتھ کو باھم پیوست کیے ہوئے تھا۔

"چچا جان آپ سے کچھ ضروری بات کرنی تھی"۔

Copyright by New Era Magazine

"کہو بھئی۔اجازت کی تمہیں کیا ضرورت"۔اسکی سعادتمندی کے یہی انداز تو انھیں اسکا گرویدہ بناتے تھے۔

"ہو سکتا ہے آپ کو میری بات غیر مناسب لگے۔یہ پھر میرے فیصلے پر اعتراض ہو ۔مگر پلیز میں درخواست کروں گا آپ سے ایک بار ٹھنڈے دماغ سے غور ضرور کیجئے گا ۔ابو کے بعد آپ میرے لئے انکے جیسے ھی مقدم ہیں"۔وہ سیدھی بات کرنے کا عادی تھا مگر آج تمہید باندھ رہا تھا۔یعنی معاملہ گھمبیر تھا۔وہ غیر محسوس انداز میں چونکے ضرور تھے مگر اظہار نہیں کیا۔

"میرے ایک کولیگ تھے۔انکی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی آگے پیچھے کوئی نہیں تھا سوائے ایک بیٹی کے۔ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا۔اس وقت انھیں صرف اور صرف اپنی بیٹی کی فکر تھی۔انکے مرنے سے کچھ ھی دیر پہلے۔۔۔۔۔"وہ بہت آرام سے سوچ سمجھ کر بول رہا تھا لحظہ بھر کو رک کر انکو دیکھا پھر مستحکم آواز میں دوبارہ گویا ہوا۔

"میں نے انکی بیٹی سے نکاح کر لیا"۔اس کے الفاظ ان دونوں پر بم بن کر پھٹے تھے۔ماہ روش کے ساتھ ہوئے حادثے کو وہ جان بوجھ کر چھپا گیا تھا۔وہ دونوں بے یقینی سے

Copyright by New Era Magazine

اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔پہلے ہوش فرید شاہ کی آیا تھا۔جنکی بے یقینی اب غصے میں تبدیل ہو چکی تھی۔چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟۔ایسے کیسے تم نے نکاح کر لیا؟"۔شدید اشتعال میں وہ ایک جھٹکے سے بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔چہرے پر ناگواری کی دبیز تہہ جمی انکو پر جلال بنا رہی تھی۔وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

"یہی سچ ہے۔آپ کو پہلے نہیں بتاسکا اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔امی یہاں جو بات کر کے گئی تھیں میں اس کے لئے بھی معافی چاہتا ہوں۔انسان جو سوچتا ہے اس پر تقدیر کا لکھا سبقت لے جاتا ہے۔فریحہ۔۔۔"۔

"خبردار جو میری بیٹی کا نام بھی اپنی زبان سے لیا تو۔اسے تم سے ہزار درجے بہتر مل جائے گا"۔وہ ہاتھ اٹھا کر اسکی بات کاٹتے سلگتی آواز میں پھنکارے تھے۔رخسار بھی جیسے ہوش میں آتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔مجتبیٰ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

" صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔یقیناً ایسا ھی ہو گا۔مگر ماہ روش کو اس وقت مجھ سے کوئی بہتر مل پانا ناممکن تھا"۔جھکی آنکھوں کے ساتھ وہ اب بھی بہت احترام سے انکی کڑوی کسیلی نہ صرف سن رہا تھا بلکہ بنا برا منائے اپنے کیے کی وضاحت بھی دے رہا تھا۔وہ بڑے تھے ناراض ہونے کا حق رکھتے تھے۔اسکی بات پر انہوں نے طیش بھری آنکھوں میں

Copyright by New Era Magazine

تمسخر لئے اسے بغور دیکھا۔ چچی اڑی رنگت کے ساتھ خاموش تماشائی بنیں ان دونوں کے منہ تک رہیں تھیں۔

"فضول کی تاویلیں مت گڑھو مجتبیٰ شاہ۔ صاف کہو تمہارے دل میں چور تھا۔ تمہاری نیت میں فتور آگیا تھا۔ ورنہ نکاح کرنا ہی ناگزیر نہیں تھا۔ تم اسے پناہ بھی دے سکتے تھے۔ بعد میں کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر بیاہ دیتے"۔ زہر خند لہجے میں وہ اسے لتاڑ رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اسکی نیت پر شک کر رہے تھے۔ مجتبیٰ نے آنکھیں سختی سے بند کرتے یہ الزام بھی اپنے سر صبر کا گھونٹ پیتے لے لیا تھا۔ اسکا بتایا آدھا سچ اسکے ہاتھ باندھ گیا تھا۔ جو بھی تھا ماہ روش اسکی بیوی کی حیثیت سے اسکے خاندان میں جانی جانے والی تھی۔ آج نہیں تو کل اسکا ان سب سے واسطہ پڑنا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اسکے ساتھ ہوئے حادثے کی کسی کو بھنک بھی پڑے۔ ورنہ وہ شاید کبھی ان سب میں سر نہ اٹھا سکتی۔ اسکی عزت کے پندار کو سلامت رکھتے اگر اسکے کردار پر ذرا سا حرف آ بھی جاتا تو سودا گھاٹے کا ہر گز نہ تھا۔

"کون ہے وہ؟ کس ذات برادری کی ہے؟۔ ہمارے خاندان کے شایان شان ہے بھی کہ نہیں؟۔ یا پھر ایسے ہی منہ اٹھا کر کسی بھی راہ چلتی کو اپنے نام کی خیرات دے آئے ہو؟"۔ اسکی چپ نے انھیں اور تاؤ دلا یا تھا۔ دو قدم آگے بڑھا کر اسکے سامنے کھڑے

Copyright by New Era Magazine

ہوتے وہ تنفر و رعونت سے گردن اکڑائے ہوئے اس سے جواب طلبی کر رہے تھے
۔ مجتبیٰ نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے تھے۔ وہ
معاملہ سلجھانے آیا تھا بگاڑنے نہیں۔

"میرے اور آپ کی طرح ہی آدم کی اولاد ہے۔ مسلمان ہے۔ایک عزت دار اور
شریف باپ کی باحیا بیٹی ہے۔ میرے لئے اسکا اتنا حوالہ ہی کافی ہے۔اپنے نام کی چادر
کسی کو خیرات میں نہیں دی جاتی۔مان، محبت اور احترام سے دی جاتی ہے چچا جان
"۔اسکی آنکھیں اب بھی نیچی تھیں۔آواز اب بھی مدھم تھی۔ مگر لہجے کے اتار چڑھاؤ
اور سختی چغلی کھا رہے تھے انکی بات اسے کس قدر گراں گزری ہے۔

"مت کہو مجھے چچا جان۔ کھو چکے ہو تم یہ حق۔ دیکھ لی ہے میں نے تمہاری نظر میں اپنی
اہمیت۔ جب اتنا سب کر ہی چکے ہو تو اب مزید سیاہ کرو یا سفید میری بلا سے"۔اونچی
آواز میں دھاڑتے اک قہر آلود نگاہ اس پر کیے وہ کندھوں پر پھیلی چادر جھٹک کر تیز
قدموں سے وہاں سے مڑ کر زینے چڑھتے گئے۔لب بھینچ کر افسردگی سے اس نے
گردن موڑ کر انھیں دیکھا تھا۔امی نے ٹھیک کہا تھا۔یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ کہیں
محاذ ایک ساتھ کھل گئے تھے۔اپنے شانے پر دباؤ سا محسوس کرتے وہ چونک کر مڑا تھا
۔رخسار اسکے قریب کھڑی پر ملال ہونے کے باوجود مسکرا رہی تھیں۔

Copyright by New Era Magazine

"فکر مت کرو۔ ابھی غصے میں ہیں۔ کچھ دن تک ٹھیک ہو جائیں گے۔ پھر ھم آئیں گے اپنی بہو کو ملنے انشااللہ "۔ اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے وہ اپنے مخصوص بے ریا سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ مجتبیٰ کو خوش گوار حیرت نے آن لیا۔

"شکریہ چچی ! مجھے سمجھنے کے لئے۔ مجھے واقع میں افسوس ہے۔ اور امی تو بنا کسی غلطی کے بھی اس قدر شرمندہ ہیں کہ آپ سے بات تک نہیں کر پا رہیں "۔ ممنون سی پھیکی مسکراہٹ زبردستی ہونٹوں پر لائے وہ انکا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔

"شرمندگی کی کیا بات ہے بیٹا۔ یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں۔ میں خود بھابھی کی فون کروں گی۔ تم بہت اچھے ہو مجتبیٰ۔ ہم نے فریحہ کے لئے ہمیشہ سے تمہارا ہی سوچا تھا ۔ مگر یہ فیصلے انسانی اختیار سے بہت دور کے ہیں۔ اللہ تم دونوں کو خوش و آباد رکھے اور میری فریحہ کے حق میں بھی بہتر کرے "۔ وہ واقعہ ہی بڑی اعلی ظرفی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ مجتبیٰ دل سے انکی نرم و صلح جو طبیعت کا معترف ہوا تھا۔

"انشااللہ "۔ دل کا بوجھل پن کچھ کم ہوا تھا۔

. . . .

"لیکن میں یہ کیسے کر سکتی ہوں؟"ہونٹ کاٹتے وہ متذبذب سی سامنے بیڈ پر رکھی اپنی کتابیں دیکھ رہی تھی جو کچھ ہی دیر پہلے مریم شاہ نے وہاں لا کر رکھی تھیں مجتبیٰ کے

Copyright by New Era Magazine

پیغام کے ساتھ کہ اسے دو ماہ بعد ہونے والے امتحانات کی تیاری کرنی ہے۔مریم نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے رک کر مڑتے اسے دیکھا تھا جو بے چارگی سے اب ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"کیوں نہیں کرسکتی۔ابھی کافی ٹائم ہے۔اور مجتبیٰ بتارہا تھا میٹرک میں تمہاری بورڈ میں دوسری پوزیشن آئی تھی۔انشااللہ تیاری ہو جائے گی"۔انکا انداز سمجھانے والا تھا ۔اس کے سوال میں چھپے مفہوم کو وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرتیں اپنی من منشا کا جواب دے رہی تھیں۔

"امی آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔یہ پڑھائی وغیرہ اب میرے بس کی بات نہیں ہے "۔وہ حد درجہ بے بسی کا شکار ہوئی تھی جب عقب سے آتی آواز پر اسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"تو تم سمجھادو۔امی نہ سہی میں ضرور سمجھنا چاہوں گا"۔دروازے کے بیچ و بیچ وہ پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ماہ روش کے چہرے پر تغیر کے بادل منڈلاتے کہیں رنگ بکھیر گئے تھے۔خوف،گھبراہٹ۔پریشانی اور بے یقینی۔اتنے دنوں میں وہ کبھی بھی مریم شاہ کے کمرے تک نہیں آیا تھا۔وہ اسکی وہاں موجودگی کی توقع نہیں کر رہی تھی ۔اس کے لئے وہ اس گھر میں ہو کر بھی کہیں نہیں تھا۔بمشکل دو سے تین بار اسے گھر

Copyright by New Era Magazine

میں دیکھا تھا۔ جہاں وہ پایا جاتا وہاں سے وہ جادو کی چھڑی گھما کر جیسے غائب ھو جایا کرتی تھی۔ مریم شاہ غیر محسوس انداز میں واش روم میں غائب ھو چکی تھیں۔ اپنے خطا ہوتے اوسان کے ساتھ وہ یہ بھی محسوس نہیں کر پائی تھی۔ اس کے قدموں کی چاپ اب اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی اور ہر آہٹ کے ساتھ اسکی سانسیں بھی ڈوبتی جاتی تھیں۔ دوپٹے کا کونہ سختی سے مٹھی میں جکڑے وہ پتھرائی آنکھوں سے کوئی پتھر کا مجسمہ ھی معلوم ہوتی تھی۔ وہ بالکل اسکے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ماہ روش کی نگاہیں اس کے لیدر کے سلیپر زمیں مقید صاف وشفاف پیروں پر ٹھہری تھیں۔ اسے اپنا آپ مفلوج ہونے کا احساس بڑی شدت سے ہوا تھا۔ آج چاہ کر بھی وہ وہاں سے قدم تک نہیں ہلا پا رہی تھی۔

اور مجتبیٰ شاہ کو لگا تھا اس نے اسکے روبرو یوں کھڑے ہو کر اپنے پیر پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ وہ پہلی بار اسے یوں فرصت سے اتنے نزدیک سے دیکھ رہا تھا۔ نارنجی رنگ کے دوپٹے کو سر پر لئے وہ پوری طرح کھلے چہرے کے ساتھ اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا جسے جب بھی دیکھا تھا نیم رخ ہی دیکھا تھا۔ اور یہ دیکھنا ہی اس کے دل پر قیامت ڈھا گیا تھا ۔ وہ کتابی چہرہ کسی شاعر کی غزل کے جیسا تھا۔ جیسے بنانے والے نے بڑی فرصت و مہارت سے ایک ایک نقشہ بڑی چاہ سے تخلیق کرتے اپنی مصوری کا منہ بولتا ثبوت دیا

Copyright by New Era Magazine

ھو۔اس پر صاف رنگت جس میں اس وقت پیلاہٹ گھلی ہوئی تھی مگر پھر بھی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔بائیں گال پر تین جگہ سیاہی مائل سگریٹ کے داغنے سے بنے چھوٹے چھوٹے سے دھبے بڑے واضح اسکی صاف شفاف جلد پر دکھائی دیتے تھے ۔جیسے چاند پر موجود داغ روشن چاندنی میں اور بھی نمایاں ہونے لگتے ہیں۔کتنے پل تو مبہوت سا وہ اسے دیکھتا رہا تھا جب بے اختیار اسکے منہ سے نکلا تھا۔

"ماہ"۔وہ اسے چاند سی ہی تو لگی تھی۔اپنی آواز کان میں پڑنے پر وہ خود ہی جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا تھا۔خود کو سرزنش کرتے خفت سے واش روم کے بند ڈور کو دیکھا تھا دل کو ذرا تسلی ہوئی۔(ہوش کرو مجتبیٰ شاہ۔بیوی بھلے اپنی ہے مگر ابھی کمرہ اپنا نہیں ہے۔نہ تو موقع محل ہے اور نہ ہی دستور۔اور جیسے محترمہ کے حالات نظر آتے ہیں ایسے کوئی دور دور تک آثار دکھائی بھی نہیں دے رہے)۔دل ہی دل خود کو سناتے اس نے ذہن پر زور دیا تھا یہ یاد کرنے کے لئے کہ وہ کیا بات کر رہا تھا۔

پھر اسے یوں ہی مٹی کا مادھو بنے دیکھ اس کے ڈھے جانے کے ڈر سے خود ہی بول اٹھا تھا

۔

"نذیر صاحب کا ایک ہی خواب تھا۔تم بہت سارا پڑھو اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ھو۔وہ اکثر کہتے تھے میری بیٹی بہت بڑی افسریانی بنے گی۔تمہاری ہر چھوٹی بڑی کامیابی

Copyright by New Era Magazine

پر وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے تھے۔ تم سے انکی بہت سی امیدیں جڑی تھیں۔ تو کیا اب ان کے جانے سے تم وہ سب بھی بھول جاؤ گی؟۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو کیا تمہیں ایسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑتے دیکھ انھیں دکھ نہیں ہوتا؟۔ زندگی جمود کا نہیں تغیر کا نام ہے۔ جب تک سانسیں چلتی ہیں انسان کو لڑنا پڑتا ہے۔ یوں ہار ماننا تو بزدلوں کا شیوہ ہے۔ اور جس بہادر انسان کو میں جانتا تھا اسکی بیٹی اتنی ڈرپوک ھو ہی نہیں سکتی۔ نذیر صاحب بھلے اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ مگر تم انھیں خود میں زندہ رکھ سکتی ھو انکے خواب کو تعبیر کا رنگ دے کر۔ کیوں کہ خواب کبھی نہیں مرتے۔ باقی تمہیں کوئی فورس نہیں کرے گا۔ آخری فیصلہ تمہارا ہو گا"۔ بڑی مہارت سے اپنی ترکش میں موجود سبھی تیر نشانے داغ داغ کر لگاتے وہ اچھے سے اس کے ذہن میں اپنی بات بٹھاتے اسکی سوچوں کو اپنے لفظوں کا قیدی بنا کر آخری فیصلے کی آزادی اسے سونپ رہا تھا۔ ابو کے ذکر پر آنکھیں پھر سے برسی تھیں حالانکہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ بالکل نہیں روئی تھی۔ اپنی بات مکمل کرتے وہ ایک گہری نظر اس پر ڈال کر واپس مڑ گیا تھا۔ اور اسکے دور ہوتے ہی ماہ روش کو لگا تھا جیسے موت کا فرشتہ اس کے سر سے ٹلا ہو۔ کب سے رک رک کر آتی سانس کو آزاد چھوڑتے اس نے دروازے کی جانب دیکھ کر اس

Copyright by New Era Magazine

کے جانے کی یقین دہانی کی تھی۔ پھر بیڈ پر رکھی بکس کو دیکھا تھا۔ اس لمحے الجھن اس کے چہرے پر بڑی واضح تھی۔

. . . .

"بھائی آئے نہیں ابھی تک؟"۔ اکیس سالہ روحان معمول سے ہٹ کر مریم شاہ کو کچھ گھبراہٹ کا شکار لگا تھا۔ جو بار بار کوریڈور کی طرف دیکھتا ایک ٹانگ اضطرابی کیفیت میں ہلا رہا تھا۔

"ابھی آتا ہو گا۔ کوئی پریشانی ہے روحان؟"۔ جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے وہ نرمی سے استفار کر رہیں تھیں۔ وہ یک دم سنبھلا تھا۔ ٹانگ کی جنبش میں سکوت آیا تھا۔ چہرے پر ہلکا تغیر آیا جیسے اپنی چوری پکڑے جانے کا خدشہ ہو۔ اگلے ہی لمحے خود کے تاثرات پر قابو پاتے وہ زبردستی مسکرایا تھا۔

"نہیں تائی جی۔ ایس۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جانتی تو ہیں میں دوستوں کے ساتھ دبئی گیا ہوا تھا۔ اتنے دنوں بعد آیا ہوں تو بس چاہ رہا تھا بھائی سے بھی ملاقات ہو جاتی پھر حویلی کے لئے بھی نکلنا ہے"۔ اپنی گھبراہٹ چھپانے کو وہ انھیں بڑا تفصیلی جواب دے گیا تھا۔ وہ مطمئین ہوئی یا نہیں مگر سر ضرور ہلا دیا تھا جس کے بعد مزید ٹٹولنا انھیں مناسب نہ لگا۔

Copyright by New Era Magazine

آسیہ تب تک جوس لے آئی تھی ان سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے وہ جوس پی رہا تھا جب ماہ روش وہاں آئی تھی اسے دیکھ کر وہ جو اپنے ہی دھیان میں آرہی تھی وہیں تھم سی گئی۔ ہاتھ بے اختیار سر پر سلیقے سے جمے دوپٹے پر جا رکا تھا جسے تھوڑا اور آگے کرتے اس نے اپنا چہرہ چھپانے کی تگ ودو کی تھی۔ روحان کی غیر ارادی نگاہ اٹھی تھی اور پھر اسے دیکھ کر ٹھٹکتی پلٹنے سے انکاری ہوئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے گلاس پر گرفت مضبوط کرتے اسے گرنے سے بچایا تھا۔ مریم شاہ نے بھی ماہ روش کو دیکھ لیا تھا۔

"آؤ ماہ روش! ادھر آجاؤ بیٹا"۔ اسکی حالت کو سمجھتے انہوں نے اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔ بدقت قدموں کو گھسیٹتے وہ ان تک آئی تھی پھر اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ انکے پہلو میں ان سے چپک کر بیٹھی تھی جیسے ان میں کہیں خود کو چھپانے کی سعی میں ہو۔ انہوں نے بھی اسکی جذباتی کیفیت کے پیش نظر اسکو اپنے بازو کے حصار میں لیتے جیسے اپنے ساتھ ہونے کا یقین دلایا تھا۔

"ماہ روش یہ روحان ہے۔ مجتبیٰ کا چھوٹا بھائی، اور روحان یہ ہیں ماہ روش۔ مسز مجتبیٰ توقیر شاہ"۔ اسکے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے انہوں نے مسکرا کر تعارف کروایا تھا ان کی ساری توجہ کا مرکز اس وقت ساتھ بیٹھی ماہ روش تھی کہ وہ سامنے بیٹھے روحان کی فق ہوئی رنگت اور ورطہ حیرت میں ڈوبی پھیلی بے یقین آنکھیں دیکھ ہی نہیں پائی تھیں

Copyright by New Era Magazine

۔جس نے کانپتے ہاتھ سے پیشانی پر آیا پسینہ صاف کرتے وہی ہاتھ چہرے پر پھیر کر اپنے تاثرات کا اثر زائل کرنا چاہا تھا۔ماہ روش اب بھی اسکی طرف نہیں دیکھ رہی تھی ۔مریم شاہ کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ بڑی مشکل سے ہونٹوں کو کھینچ کر مسکراہٹ کے انداز میں پھیلا پایا تھا۔مگر وہ کوشش پھر بھی کافی حد تک ناکام رہی تھی۔

"ماہ روش کی ذرا طبیعت خراب ہے"۔انہوں نے جیسے اسکی خموشی اور قدرے عجیب سے انداز پر عذر تراشا تھا۔فلحال وہ وہاں بیٹھ گئی تھی اتنی بھی غنیمت تھی۔مگر سامنے والا بھی کہاں حواس میں تھا جو اسکی بدحواسی کا نوٹس لیتا۔یک دم اٹھتا وہ گلاس ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہوا تھا۔

"بھائی کو آنے میں دیر ہے شاید۔میں۔۔۔میں نکلتا ہوں شام گہری ہو گئی تو سفر میں پریشانی ہو گی"۔اپنی پیشانی کو مسلتے وہ بہت کوشش کے باوجود زبان کو لڑکھڑاہٹ سے نہیں بچا پایا تھا۔

"آج رات ادھر ہی رک جاؤ۔کل صبح چلے جانا بیٹا"۔وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"نہیں تائی جی۔امی کو آنے کی اطلاع کر چکا ہوں وہ انتظار کر رہی ہوں گی"۔انکے پاس آتے وہ تھوڑا سا جھکا تھا۔مریم شاہ نے محبت سے اسکی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔روحان

Copyright by New Era Magazine

نے ایک نظر پھر اس جامد وجود پر ڈالی تھی اس آس کے ساتھ کہ شاید وہ اسکی نظروں کا دھوکہ ہو۔ مگر وہ مجسم حقیقت بنی اسے شدید ذہنی و جذباتی انتشار کا شکار کر رہی تھی۔

"اللہ کی امان بچے۔ خیر سے جاؤ۔ پہنچ کر اطلاع کر دینا"۔ اسے دعاؤں کے سائے میں رخصت کرتی وہ اسکے ساتھ دروازے تک آئی تھیں۔ سر ہلا کر "اللہ حافظ" کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے سرعت سے نکلا تھا۔ مریم شاہ اسکے عجیب و غریب انداز پر کتنی دیر وہاں کھڑی الجھتی رہی تھیں پھر سر جھٹک کر واپس مڑیں۔

. . . .

"اسلام علیکم "۔اس کی آواز کے ساتھ ہی چھناکے کی آواز گونجی تھی اور ماہ روش کے ہاتھ سے گلاس زمین بوس ہوتے کہیں ٹکڑوں میں بٹ کر منتشر ہوا تھا۔ کسی کو اسکے سلام کا جواب دینے کا ہوش بھی نہ رہا تھا۔ مجتبیٰ کے ساتھ ساتھ مریم شاہ نے بھی پریشان نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"سنبھل کر ماہ روش پاؤں میں چبھ جائے گا"۔ہانڈی میں ڈوئی ہلاتے انہوں نے فکر مندانہ لہجے میں اسے ٹوکا تھا جواب حواس باختہ سی کانچ کے بکھرے ٹکڑوں پر قدم رکھنے کو تھی۔

Copyright by New Era Magazine

دروازے کے فریم میں کھڑے مجتبیٰ کو اس وقت سب سے زیادہ خود پر ترس آیا تھا ۔شاید ہی کوئی بیوی ہوگی جو اپنے شوہر کا اس درجے پر تپاک استقبال گھر آنے پر کرتی ہوگی۔

"جس رفتار سے اس گھر میں آج کل برتن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ عنقریب یہاں برتنوں کا قال پڑنے والا ہے۔والدہ میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے جلد از جلد مارکیٹ جا کر کراکری کی شاپ کا چکر لگا آیئے"۔وردی میں ملبوس ہاتھ سینے پر باندھے وہ دروازے کے فریم سے ٹیک لگائے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ماہ روش نے شرمندگی سے آنکھیں میچی تھیں۔ابھی پرسوں بھی اسے یک دم سامنے دیکھ کر اسکے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر گرتے ٹوٹی تھی۔مریم شاہ بیٹے کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔آنچ ہلکی کرتے وہ مڑیں پھر کچھ سوچ کے ماہ روش کو آواز لگائی۔

"ماہ روش !بیٹا مجتبیٰ کو پانی دینا ذرا"۔آنچ دوبارہ تیز کرتے انہوں نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔اور وہ جو ابھی تک گلاس ٹوٹنے پر افسوس کر رہی تھی۔اس نئ افتاد پر سٹپٹا کر انھیں دیکھا تھا۔پھر مرتی کیا نا کرتی کی مصداق پر عمل کرتے مرے مرے قدموں سے فریج میں سے پانی کی بوتل برآمد کرتے کاؤنٹر پر دھرے گلاس میں پانی

Copyright by New Era Magazine

انڈیلنے لگی تب تک مجتبیٰ بھی اندر آتا وہاں کاؤنٹر کے نزدیک رکھے سٹول پر نشت سنبھال چکا تھا۔

"امی روحان آیا تھا کیا؟"۔ نگاہوں کے ارتکاز سے اسے نروس ہوتا دیکھ سرد آہ بھرتے ، نظریں اس سے ہٹا کر امی کی طرف مبذول کرتے وہ بولا تھا۔

"آیا تو تھا مگر بمشکل دس منٹ بھی نہیں بیٹھا۔ جلدی میں تھا"۔ بنا مڑے وہ بتا رہی تھیں جب ماہ روش نے وہیں سے کاؤنٹر پر کھسکا کر گلاس اسکے نزدیک کیا تھا۔ اور خود مڑ کر فریج کھولے اس میں بوتل رکھنے لگی تھی۔ اسکے اس قدر محتاط انداز پر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔ پانی پیتے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا کیوں کہ اسکی زوجہ محترمہ بلا مقصد اب صرف اسکی موجودگی سے خائف فریج میں سر دیے کھڑی تھیں۔ دروازے پر جا کر وہ رکا تھا گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"ماہ روش! میں جا رہا ہوں۔ آپ اپنے مورچے میں سے باہر نکل سکتی ہیں"۔ متبسم انداز میں کہتے وہ پھر رکا نہیں تھا بلکے آگے بڑھ گیا تھا۔ مریم شاہ نے اس کے انداز پر ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔ ماہ روش نے جیسے اپنی چوری پکڑے جانے پر شرمندگی سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سیدھے ہوتے فریج بند کی تھی۔ مریم شاہ کے ہنسنے پر انھیں شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"آپ بھی میرا مذاق اڑا رہی ہیں؟"۔وہ ناراض ہوئی تھی جس پر مریم نے رخ اسکی طرف پھیرا تھا آنکھوں میں خفگی لئے وہ انھیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"نہیں نہیں۔بلکہ تم مجتبیٰ کے سامنے میرا مذاق بنوا رہی ہو۔ابھی کل ہی میں اس سے کہہ رہی تھی میری ماہ روش بہت بہادر ہے۔وہ اب بلکل نہیں ڈرتی۔اب تمہاری کارگردگی جو وہ دیکھ کر گیا ہے میری بات کا کہاں یقین کرے گا"۔انہوں نے نارمل انداز اپناتے ہوئے اسے نرمی سے ذرا جھاڑ پلائی تھی۔

"میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا"۔وہ بھی فوری طور پر نرم پڑی تھی ساتھ ہی سفید ماربل پر بکھرے کانچ کی طرف دیکھتے وضاحت دی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ہو جاتا ہے کبھی کبھار۔مجتبیٰ بھی تو ایک دم سے وارد ہوا تھا۔اپنے دھیان میں لگی ایک بار میں بھی چونکی تھی"۔وہی مہربان مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولیں تو ماہ روش نے مشکور ہوتے انھیں دیکھا۔انکی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہ ہر بات کو بڑا عمومی سا رنگ دیتے اسے خفت سے بچالیا کرتیں تھیں۔

"میں یہ صاف کرلوں"۔کانچ کی طرف اشارہ کرتے وہ بولی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔پچھلے کچھ دنوں سے وہ اسے دانستہ زیادہ مصروف رکھتیں تھیں۔اسے اپنے ساتھ کچن میں لاکر چھوٹے چھوٹے کام اسکے سپرد کردیا کرتیں تھیں جس سے اسکی

Copyright by New Era Magazine

طبیعت پر اچھا اثر پڑا تھا۔بہت سی زہریلی سوچوں نے اسکا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔اور سب سے زیادہ خوشی انھیں کل رات ہوئی تھی جب وہ انھیں اپنی بکس کھول کر پڑھتی نظر آئی تھی۔ان کی کوششیں آہستہ آہستہ رنگ لا رہی تھیں۔وہ نارمل زندگی کی طرف واپس آ رہی تھی۔

. . . .

کمرے میں گھور اندھیرے کا راج تھا۔انہوں نے دیوار پر ہاتھ مارتے لائٹس جلائیں تو سارا منظر یکلخت روشنی میں نہاتا چلا گیا۔بیڈ پر کمبل اوڑھ کر لیٹے وجود نے آنکھوں پر بازو رکھ کر جیسے اس روشنی سے بچنے کی کوشش کی تھی۔اس وقت یہ اجالا اس کے کہیں راز فاش کرنے کا موجب بننے والا تھا۔رخسار کی کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا تھا جس کے زیر اثر وہ اس کے بالکل پاس آکر کھڑی ہوئیں تھیں۔آنکھیں چندھیا کر بغور اسکا چہرہ دیکھا تھا اور پھر انھیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"روحان تم رو رہے ہو؟"۔انکی آواز میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی نمایاں تھی۔جھک کر اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھتے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔اس نے سرعت سے اپنی سرخ بھیگی آنکھوں پر سے ہاتھ بازو ہٹا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا تھا۔پھر زکام زدہ سی سانس ناک سے کھینچتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"نہیں امی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے"۔ انکو اپنے سامنے بیٹھتا دیکھ کر وہ نظریں چراتا کمزور سی آواز میں بولا تھا۔

"یہ آنسو سر درد کے نہیں ہیں۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ ادھر دیکھو میری طرف"۔ اسکا چہرہ پکڑ کر اپنی جانب موڑتے ہوئے وہ اس کے چہرے کے تاثرات جانچتی بیٹھتے دل کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔ انکے سینے میں دھڑکتا ایک ماں کا دل کسی انہونی کی پیش گوئی کر رہا تھا۔

روحان نے پانیوں سے لبریز آنکھیں لئے انکو دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح انکے گلے لگا رو رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا"۔ انکے شانے پر منہ چھپاتے ہوئے وہ گھٹی گھٹی آواز میں مدھم پڑے لہجے میں کہتا انہیں ششدر کر گیا تھا۔ جوان اولاد جب کبھی یوں ٹوٹ کر بکھرتی ہے تو اسکے پیچھے کسی قیامت کی ہولناکی چھپی ہوتی ہے۔ آنکھوں میں خدشات کی کہیں تحریریں لئے کانپتے ہاتھوں سے اسے خود سے الگ کیا تھا پھر اسکی طرف دیکھتے انکی سپاٹ آواز گونجی تھی جو خود انھیں بھی پرائی پرائی سی لگی۔

Copyright by New Era Magazine

"کیا کیا ہے تم نے روحان؟"۔یہ وہ سوال تھا جو اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا ۔جسکا جواب دینے وہ ضمیر کی ملامت پر خود مجتبیٰ شاہ کی عدالت میں پیش ہونے گیا تھا مگر وہاں موجود وجود نے اسکی تمام مجتمع ہمتوں کو لمحوں میں ریزہ ریزہ کیا تھا۔

. . . .

.

وہ گھر آیا تو خلاف معمول مریم شاہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ماہ روش اسے لیونگ ایریا میں بیٹھی پڑھتی نظر آئی تھی۔اس کے استفار پر اس نے بتایا تھا وہ ساتھ والے گھر کسی کی تیارداری کے لئے گئی ہوئی ہیں۔وہ روم میں گیا تو کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر کچن میں آگئی تھی۔اتنا تو اسکی روٹین کا پتہ لگ ہی گیا تھا گھر آتے ساتھ ہی وہ چائے پینے کا عادی تھا۔پچھلے چند دنوں میں اس کی موجودگی سے وہ ڈرنا چھوڑ چکی تھی ۔وہ اس کی طرف دیکھتی نہیں تھی۔اس سے بات بھی نہیں کرتی تھی مگر یہ بھی سچ تھا اب اسے دیکھ کر وہ خوفزدہ بھی نہیں ہوتی تھی۔بہت حد تک نارمل ری ایکٹ کرتی تھی جو کہ اسکے رویے میں ایک اچھا اور خاطر خواہ بدلاؤ تھا۔

کپڑے بدلتا وہ واپس نیچے ہی آیا تھا اسکی چھوڑی جگہ بیٹھا وہ سامنے کھلی کتاب پر نگاہیں دوڑا رہا تھا جب وہ واپس ہاتھ میں چائے کا کپ لئے آئی تھی جسے اسکے سامنے میز پر

Copyright by New Era Magazine

رکھنے ہی والی تھی کہ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتا کپ لینے کے لئے ہاتھ بڑھا گیا۔ وہ اسکا ہاتھ دیکھ کر رک سی گئی تھی۔ کچھ دیر شش و پنج میں مبتلا ہوتی بلا آخر اس نے خود کو مضبوط کرتے کپ اسکے ہاتھ میں دیا تھا۔ جسے پکڑتے ہوئے مجتبیٰ کا توانا ہاتھ اسکے ہاتھ سے ذرا سا مس ہوا تھا اور وہ یوں بدک کر پیچھے ہوئی تھی جیسے بجلی کی کسی ننگی تار پر ہاتھ آ پڑا ہو۔ بر وقت کپ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑتے مجتبیٰ نے اسے زمین بوس ہونے سے بچایا تھا۔ ورنہ گرم چائے اس کے ساتھ ساتھ ماہ روش کے پاؤں بھی جھلسا جاتی۔ مگر اب بھی جوان دیکھی آگ بھڑک اٹھی تھی اس نے بھی ان دونوں کو بیک وقت اپنی لپیٹ میں لینا تھا۔ جلنا دونوں کا ہی مقدر بننا تھا۔

سراسیمگی کی آخری حد کو چھوتے وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے سختی سے مسلتے ہوئے الٹے قدموں بھاگتی کچن میں گم ہوئی تھی۔ مجتبیٰ نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے کچھ سوچ کر کپ رکھا تھا۔ پھر اٹھ کر اس کے پیچھے گیا تھا۔ کچن کی دہلیز پر پہنچتا وہ ٹھٹک کر رکا۔ سامنے اسکی طرف پشت کیے وہ نل کھولے ہاتھ پر ڈش واش لیکویٹ ڈالے ہاتھ کو رگڑ رگڑ کر دھوتی کچھ دیر پہلے کے اسکے ہاتھ کا لمس مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجتبیٰ نے اپنی آنکھیں سختی سے موندیں۔ وہ خود اذیتی کا شکار ہوئی اسے بھی تکلیف

Copyright by New Era Magazine

سے دوچار کر گئی تھی۔ مریم شاہ اور اسکی اتنے ہفتوں کی محنت لمحوں میں رائیگاں ہوئی تھی۔ وہ پھر سے اسی نہج پر آ کھڑی ہوئی تھی جہاں ہوش میں آنے کے بعد کھڑی تھی۔ بنا سوچے سمجھے وہ آگے بڑھا تھا۔ اسکے عقب میں ذرا فاصلے پر رکتے ہاتھ بڑھا کر نل بند کیا تھا۔ وہ سرعت سے گھبراہٹ کا شکار ہوئی پلٹی تھی سامنے وہ دیوار بنا فرار کی سبھی راہیں معدوم کر گیا تھا۔ کاؤنٹر کے ساتھ کمر لگائے مٹھیاں سختی سے بھینچے وہ سانس تک ساکن کیے کھڑی تھی

"ماہ ادھر دیکھو میری طرف"۔ اس کے کندھوں پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے وہ تحکم بھرے انداز میں بولا تھا۔ ماہ روش نے اپنی سختی سے میچی آنکھوں کو کچھ اور زور سے بند کیا تھا۔ مجتبیٰ جبڑے بھینچے اسکے چہرے پر بدلتے موسموں کا عکس دیکھ رہا تھا۔ جہاں دور دور تک درد، تکلیف، آسیب اور خوف کی گرد آلود ہوائیں رقص کرتیں اسکے خدوخال کو وحشت زدہ کر رہی تھیں۔

"کیا کہہ رہا ہوں میں ؟۔ آنکھیں کھولو اور میری طرف دیکھو ماہ"۔ اب کی بار اسکے لب و لہجے میں سختی کا عنصر بڑھا تھا۔ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے ساتھ اسکے شانوں پر اسکے ہاتھوں کا دباؤ بھی بڑھا تھا۔ وہ پوری جان سے لرزی تھی۔ اسکی

Copyright by New Era Magazine

دھاڑ پر پانیوں سے لبریز وہ نین کٹورے وا ہوئے تھے مگر اسکے چہرے کا عکس خود میں بسانے سے اب بھی گریز برت رہے تھے۔

"میری طرف دیکھو اور بتاؤ میں کون ہوں؟" ایک ہاتھ سے ٹھوڑی سے پکڑ کر اسے زبردستی خود کو دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ایسا کرنے سے اسکے چہرے نے جھٹکا سا کھایا تھا۔ نمکین پانیوں کا جام چھلکا۔اسکے دھندلائے سے خدوخال کو دیکھتے وہ سسکی تھی۔

"مج۔۔۔مجتبیٰ"۔اسکی زبان سے ٹوٹ کر اسکا نام خوف کے سائے میں نکلا تھا۔

"تمہارا کیا لگتا ہوں؟"۔اگلا سوال اور بھی جان لیوا تھا۔اور اس سے بڑھ کر ظالم اسکی نظریں تھیں جو اسکی آنکھوں میں گڑھی اسے اندر تک زخم زخم کررہی تھیں۔

وہ بنا پلکوں کو جنبش دیئے اسے دیکھ رہی تھی۔جب اس نے اپنا سوال دوبارہ دوہرایا۔

"بتاؤ ناں تمہارا کیا لگتا ہوں؟" دھیمی آنچ دیتی آواز میں وہ پھر سے سراپا سوال بنا کھڑا تھا۔

"شوہر"۔یک لفظی جواب جو نیم سرگوشی میں دیا گیا تھا۔مجتبیٰ کے تنے چہرے پر سکون آمیز ہوا چلی تھی۔

"تو پھر اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے؟"۔اسکی ٹھوڑی سے ہاتھ ہٹا کر دوبارہ کندھے پر رکھتے وہ نرمی پر اتر آیا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"میں نے مرد کا وہ چہرہ دیکھا ہے کہ اب وہ کسی بھی روپ میں آ جائے۔۔۔۔مجھے اس میں صرف۔۔۔اور صرف درندہ ہی دکھائی دیتا ہے"۔اسکی درد میں ڈوبی آسیب زدہ سی کہیں دور سے آتی آواز پر مجتبیٰ کی نظریں جھکی تھیں۔وہ اب بھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی میکانکی انداز میں۔بھیگی پلکوں کے سائے میں سیل رواں آنکھوں کے ساتھ ۔وحشت زدہ سی۔کسی اجڑے دیار کی بے رنگ و بو تصویر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نوٹ

ہوئے جو تم ہمسفر پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ (نیوایرا میگزین)

Copyright by New Era Magazine

ہمیں اپنی ویب نیوایرامیگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پر اپناناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تواردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کااستعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندراندر ویب پر پوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کااستعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرامیگزین

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

Copyright by New Era Magazine